ماہنامہ

# قلندرِ شعور

مئی ۔ جون ۲۰۲۰ء

سُکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور رُوح کے عرفان کے بغیر سُکون نہیں مِلتا

فرمانبرداری کا دماغ = یقین اور سکون کا گھر
نافرمانی کا دماغ = شک اور وسوسوں کا جال

اے ہمارے رب ۔۔۔
ہمیں آفاتِ ارضی و سماوی سے محفوظ فرما

# GWADAR GOLF CITY

ELEGANCE BEYOND IMAGINATION

A PROJECT OF BSM DEVELOPERS

JP
JOTANA PMS

**Site office Bahria Town Karachi**
14 B Side,
Midway Commercial, Bahria Town
Super Highway
+92 213-529-7298

**DHA office, Karachi**
Shop 1, Plot 58-C,
25th Street ,Touheed
Commercial, DHA Phase 5
+92 213-529-7299

A Joint Venture of
JOTANA PMS

care@jotanapms.com | www.jotanapms.com

# حضور قلندر بابا اولیاؒ

## حیات، حالات، تعلیمات اور کائنات

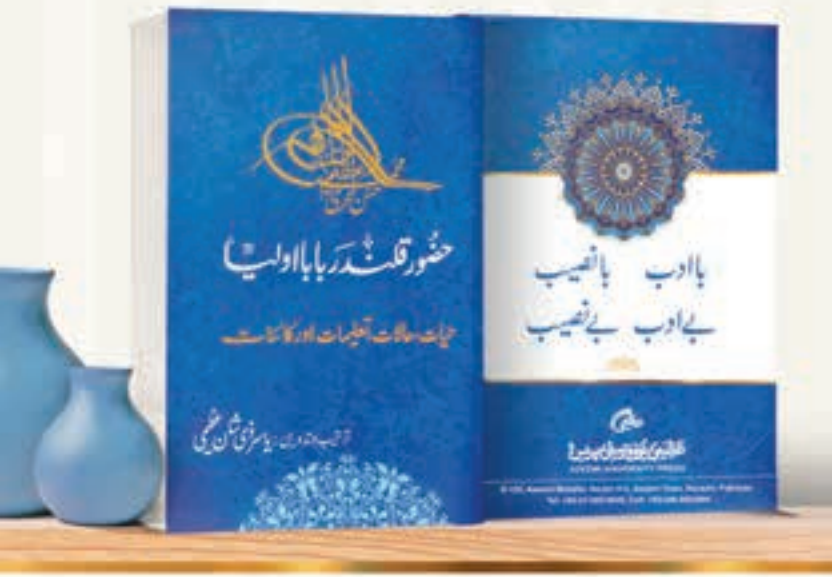


"قلب و جان میں مقیم ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کے اقوالِ زریں اور خزینہ علومِ تکوین اور فنون و علوم کے بارے میں دستاویز..."

---

ملنے کا پتہ:

یاسر ذی شان عظیمی رابطہ نمبر: +92-321-7120100

عظیمی یونیورسٹی پریس رابطہ نمبر: +92-213-6914040

انصاری بک سینٹر رابطہ نمبر: +92-345-3129964

# DEFENCE
## 3D - OPG - CEPH

*3 DIMENSIONAL DENTAL IMAGING CBCT SYSTEM*

KARACHI

# 3D

*Free software provide with implant library to all consultant for Nerve Tracing. Cephalomatric Tracing, Implant Planing.*

Maxillofacial

Implant Planning

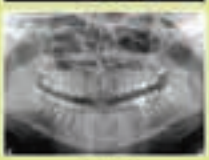

OPG

CEPH

***Take Your Practice to the Next Level !***

**Defence branch:**
0213-8941506 - 0343-7180348
Building # 7-C, Shop # 1, Street 10, Badar Commercial Area, Phase 5 Ext. DHA, Karachi.

**Sharfabad branch:**
0213-4920777 - 0320-4690899
Plot # 87, Shop # 2, Zulekha Tower, Block-3, BMCH Society, Main Jamal-ud-Din AfghaniRoad, Sharfabad, Karachi.

Email: info@3d-diagnostic.pk Web: www.3d-diagnostic.pk

FL 5 & 6, Block B, Gulshan-e-Jamal
Rashid Minhas Road, Karachi.

f : lavishdinerestaurant

# Lavish Dine
## Restaurant

www.lavishdinerestaurant.com

- Party up to 400 Persons
- Affordable Party Menus
- Buffet
- À la carte

Ph: 021-34570423
Cell: 0333-3538004

The Secret of a Beautiful Smile

DENTAL innovations Clinic

## Dental Implants

## Aesthetic Dentistry

Teeth Whitening, Porcelain Crowns, Veneers, Ceramic Restorations

## Restorative Dentistry

Crown & Bridge, Root Canal Treatment

## Orthodontics

Fixed And Removable Braces, Invisible Braces

## General Dentistry

Extractions, Fillings, Dentures

## Preventive Dentistry

Pit Fissure Sealants, Scaling, Root Planning

## Minor Oral Surgery

Impaction (Wisdom Teeth), Apicectomy

## Pediatric Dentistry

Space Maintainers, Steel Crowns

### LAHORE

LG 136, Siddiq Trade Center
Main Boulevard Gulberg.
0301 2399991 - 042 2581711
0300 8511747

### QUETTA

Balochistan Medical Center
Prince Road / Fatima Jinnah Road,
081 2836448 - 081 2825275
0300 3811747

جلد 8 شمارہ 5-4 | مئی - جون 2020ء | رمضان ۔ شوال ۔ ذیقعد 1441ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ قلندر شعور کراچی

# قلندر شعور

Neutral Thinking

(اردو ــ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

باہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 80روپے.....سالانہ ہدیہ 1080روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ، بیرونِ پاکستان 70امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔فون نمبر: 6912020 213 (0) 92+

## ۳۶ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ ــــــ ضیا نیرؔ 10
نعت رسول مقبول ﷺ ــــــ بہزادؔ لکھنوی 11
رباعیات ــــــ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ 12
آج کی بات ــــــ مدیر مسئول 14
فقیر کی ڈاک ــــــ ادارہ 19
نامے میرے نام ــــــ خانوادہ سلسلہ عظیمیہ 21
یہ کیسا معالج ہے ــــــ بلال حسن 23
بلیک ڈیتھ ــــــ (M.A-Mass Comm.) قرۃ العین واسطی 29
متوازن ناک ـــ ماہر مصور ــــــ ڈاکٹر محمد عثمان 35
پیراسائیکالوجی سے مسائل کا حل ــــــ خواجہ شمس الدین عظیمی 41
دس ہزار سال ـــ ؟ ــــــ نفیسہ شاکر 45
ٹائم اسپیس اور اسپیس ٹائم ہے ــــــ (M.A-Economics) محمد علی ضیا 51
استاد اور تربیت ــــــ (M.A-Mass Comm.) مشعل 57
کیا شعور پیمانہ ہے؟ ــــــ فرزانہ پرویز 61
اماں میرے باوا کو بھیجو ری کہ ساون آیا ــــــ شازیہ رشید 67
ستاروں کی مجلس ــــــ (M.A-Fine Arts) حامد ابراہیم 75
فروری 2020ء کے سرورق کی تشریح ــــــ قارئین 80

سپاہی پرندے اور چوپائے ___ حماد علی شاہ 83
ایثار ___ ایثار کیا ہے؟ ___ نادرہ مبین 89
چار سو سال پہلے کا درخت ___ (یو اے ای) بی بی انورادھا 93
اقتباسات ___ قارئین 99
زر پرستی ___ عابد محمود 101
اک نقطے وچ گل مکدی اے ___ ادارہ 109
نرس ___ ؟ ___ آسیہ روبی 113
پورب کے ہم زاد ___ (M.Sc-Applied Physics) محمد عدنان خان 119
اللہ میاں کے باغ کے پھول ___
اولی الالباب بچے ___ ادارہ 125
ذی احترام استاد اور شاگرد ___ (M.A-Mass Comm.) سارہ خان 127
آپ کیا سمجھے ___ ؟ ___ حمدہ امجد 132
آپ کے خواب اور ان کی تعبیر ___ خواجہ شمس الدین عظیمی 135
Circle of Life ___ Bibi Anuradha (UAE) 146
Nishapuri — Bibi Fatima (RA) ___ Noor-ul-Huda 151
God Loves You ___ Naseer Ahmed 153
The Cause of Pandemic ___ Qurut-ul-Ain Wasti 159
Coincidence...? ___ H. R. Archer 165
Prophet Muhammad (PBUH) ___ Extracted 169
Message of the Day ___ K. S. Azeemi 172

ضیا نیرؔ

# حمد باری تعالیٰ



منبع ہے تو ہی جودوکرم لطف و عطا کا
خالق ہے تو اے مالک کل ارض و سما کا

تارِ رگِ جاں اور یہ سر رشتۂ انفاس
ہے ہاتھ میں تیرے ہی فنا اور بقا کا

دکھلاتا ہے منزل کا نشاں بھٹکے ہوؤں کو
گمراہوں کو دیتا ہے پتا راہِ ہدیٰ کا

ہیں مست ترے ذکر سے مرغانِ سحر خیز
ہے زمزمہ خواں تیرا ہی ہر جھونکا ہوا کا

آہ دل مظلوم ہلا دیتی ہے پل میں
پایہ سرّ افلاک ترے عرش علیٰ کا

وہ تیرے ہی بندے ہیں سر مسند ارشاد
منصب ہے عطا جن کو ہوا راہ نما کا

دیتے ہیں تجھے واسطہ ہم بارِ الٰہا
سرکارِ دو عالمؐ کا شہ ہر دوسرا کا

ہر نقش کف پا ترے محبوبؐ کا یارب
ہے قبلہ مقصودِ نظر اہل وفا کا

نے قوتِ اظہار ہے نے طاقت گفتار
حق کیسے ہو نیّرؔ سے ادا تیری ثنا کا

بہزاد لکھنوی

# نعت رسول مقبول ﷺ

اے حبیبِؐ خدا اے حبیبِؐ خدا
حامیِ دو جہاں شافعِ دوسرا

سرورِ مرسلیں نازشِ عالمیں
فخرِ کون و مکاں نازِ ارض و سما

وجہِ ایمان و دیں مشعلِ سالکیں
واقفِ رازِ حق آفتابِ ہدا

درد مندِ جہاں چارۂ بے کساں
رحمتِ ہر زماں کانِ لطف و عطا

اے طبیبِ دلاں اے مسیحِ زماں
قاطعِ ہر الم دافعِ ہر بلا

وجہِ تخلیقِ کل شاہ و ختمِ رسلؐ
مظہرِ ذاتِ حق مبتدا منتہا

کب سے بہزادؔ کو ہے مدینے کی دھن
اس کو للہ جلدی سے لیجئے بلا

# نشانِ عبرت

اہرام فراعین کا مدفن ہیں آج
سیاحوں سے تحسین کا لیتے ہیں خراج
رفتارِ زمین کی ٹھوکریں کھا کھا کر
مل جائے گا کل تک ان کا مٹی میں مزاج

’’اب تو ہم صرف تیری لاش کو بچائیں گے تاکہ تو بعد کی نسلوں کے لئے نشانِ عبرت بنے۔ اگرچہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ہماری نشانیوں سے غفلت برتتے ہیں۔‘‘ (یونس: ۹۲)

نوع آدم کی اکثریت شداد، نمرود اور فراعین کی تاریخ سے واقف ہے۔ سوچنا یہ ہے کہ شداد کی جنت اور نمرود کی ایجادات کہاں ہیں؟ فراعین مصر کے اہرام ابھی تک نوحہ کناں ہیں کہ ان کے معبودوں کی میوزیم میں جگہ جگہ ٹکٹ لگا کر تذلیل کی جارہی ہے جیسے بادشاہ نہیں ہوئے تماشا بن گئے۔

سکندر و دارا، شداد و نمرود، فراعین اور بڑے بڑے بادشاہ جن کی ہیبت و بربریت کا عالم یہ تھا کہ لوگ ان کے نام سے لرزتے تھے، جو بڑی بڑی ریاستوں اور مملکتوں کے تاج دار تھے، عوام سے خراج وصول کرتے تھے، خود کو آقا اور مخلوق کو غلام سمجھتے تھے، معلوم نہیں کہ وہ خود اور ان کے تاج کہاں ہیں—؟ ان کو اور ان کی افواج کو جو آندھی طوفان بن کر دنیا کے لئے مصیبت بن گئی تھیں، مٹی نے نگل لیا۔ یہ بڑے بڑے محلات اور کھنڈرات جو آج ان پر آنسو بہا رہے ہیں بالآخر ان کا نام و نشان بھی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔

لاہور (پاکستان) میں اللہ کے دوست حضرت داتا گنج بخشؒ کا مبارک مزار اللہ کی مخلوق کے لئے روشن زندگی ہے۔ داتا صاحبؒ کے دستر خوان سے کئی ہزار خواتین و مرد، صاحبِ استطاعت، نادار اور غریب غربا تین وقت کھانا کھاتے ہیں۔ اللہ کے دوست، رسول اللہؐ کے امتی، مخلوق کے ہمدرد داتا صاحبؒ کے روضۂ اقدس— کے کچھ فاصلے پر ہندوستان کے بادشاہ جہانگیر کا مقبرہ ہے۔ زینت و زیبائش قابل دید ہے لیکن وہاں لوگ تفریح طبع کے لئے جاتے ہیں اور وہ کچھ ہوتا ہے جس کو دیکھ کر کھلی آنکھیں بند کرنا اچھا لگتا ہے۔

# آج کی بات

سات ارب سے زیادہ آبادی میں اکثریت زبان سے اقرار کرتی ہے کہ اللہ خالق، مالک اور رازق ہے لیکن ذہن تالے کے بغیر صندوق ہے جو شکوک و شبہات سے بھرا ہوا ہے۔ مشاہدہ ہے کہ بڑی پریشانی دور کی بات، معمولی پریشانی پر مایوسی طاری ہو جاتی ہے اور اختلاف وسیع ہو جاتا ہے۔

آدمی سمجھتا ہے کہ وہ وقت کے ٹکڑوں میں زندگی گزارتا ہے۔ ان ٹکڑوں کو وہ لمحوں، سیکنڈوں، منٹوں، گھنٹوں اور شب و روز کا نام دیتا ہے۔ مگر یہ لمحے، سیکنڈ، منٹ، گھنٹے اور شب و روز کہاں سے آتے ہیں اور کہاں چلے جاتے ہیں، اسے علم نہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ صرف لمحے غیب ظاہر نہیں ہوتے، ہر شے لمحات میں منتقل ہو کر غیب ظاہر — ظاہر غیب ہو رہی ہے۔ جو فرد غیب ظاہر سے واقف نہیں، وہ عارضی دنیا کو سب کچھ سمجھ کر دنیا ذخیرہ کرتا ہے تاکہ مستقبل محفوظ ہو جائے۔ جس دنیا کو دوام نہیں، وہاں موجود اشیا پائیدار کیسے ہو سکتی ہیں —؟

•• —————— ••

زندگی بیان کرنے کی مختلف طرزیں ہیں۔ ایک طرز یہ ہے کہ فرد کے اندر طلب پیدا ہوتی ہے اور طلب کا دوسرا رخ ترک ہے۔ فرد ترک سے آزاد ہے نہ طلب چھوڑ سکتا ہے۔ مگر کسے ترک کرنا ہے اور کیا اپنانا ہے — اس کا فیصلہ وہ ''الوژن'' کے تحت کرتا ہے۔ کائنات میں لاشمار دنیائیں ہیں جن میں حواس کی رفتار اس دنیا سے ہزاروں گنا زیادہ ہے۔ نادان آدمی بے شمار دنیائیں ترک کر کے ایک دنیا کی طلب رکھتا ہے جہاں

حواس کی رفتار سب سے کم ہے۔ رفتار کم ہونے سے چیزیں منجمد نظر آتی ہیں۔

بظاہر نظر آتا ہے کہ دنیا ٹھوس ہے اور ہم اس میں رہتے ہیں لیکن نگاہ دیکھتی ہے کہ دنیا ٹھوس ہے نہ ہم اس میں رہتے ہیں، ہماری طرح یہ دنیا بھی کہیں سے یہاں پر منعکس ہو رہی ہے۔ پھر دنیا کی اصل کیا ہے ــــ؟

وسائل مخلوق کی پیدائش سے پہلے زمین پر موجود ہیں۔ ان وسائل کو استعمال کر کے ایجادات ہوتی ہیں تو پوچھا جاتا ہے کہ موجد کون ہے۔ لوگ تعریف کرتے ہیں اور اس کی صفات اپنانا چاہتے ہیں۔ سوچنا یہ ہے،

- ہمیں کون و مکاں دیکھ کر خیال نہیں آتا کہ یہ سب کس نے بنایا ہے؟
- کیا فکر خالقِ کائنات کو پہچاننے کی طرف متوجہ نہیں کرتی؟
- جو وسائل دن رات تسلسل سے استعمال کرتے ہیں، وہ کس نے بنائے؟
- بارش نہ برسے، گندم اگ سکتی ہے؟ زندگی برقرار رہ سکتی ہے؟
- کبھی سوچا ہے کہ گندم کیسے اگتی ہے اور بارش کون برساتا ہے؟
- بارش نہ برسے پھر کیا ہوگا اور برسنے کا سلسلہ نہ رکے، پھر کیا ہوگا؟
- دنیا میں آئے، کیا ساتھ لائے ہیں اور جاتے ہیں تو ساتھ کیا لے جاتے ہیں؟

انسان یقین اور آدمی شک میں زندگی گزارتا ہے۔ پریشانی، بیماری، الجھن، بیزاری، دماغی کشمکش، اعصابی کشاکش، خوف اور غم ــــ شک سے وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ شک سے منع فرماتا ہے اور یقین پختہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

> ''اس کتاب میں شک نہیں۔ ہدایت ہے متقیوں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' (البقرۃ: ۲۔۳)

آدم زاد نے ذہن نشین کرلیا ہے کہ خوشی کا تعلق دولت مندی سے ہے اس لئے وہ دن رات دولت جمع کرنے میں مگن ہے۔

سنئے ــــ ماہی گیر کشتی میں بے فکر لیٹا موسم سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ کسی صنعت کار کا وہاں سے گزر ہوا۔ ماہی گیر کو بے فکر لیٹے دیکھ کر پریشانی ہوئی اور قریب جا کر پوچھا، وقت ضائع کرنے کے بجائے مچھلیاں کیوں نہیں پکڑتے؟

آسمان کی وسعتوں میں گم ماہی گیر نے تعجب سے صنعت کار کو دیکھا اور کہا، میں نے آج کے دن کی مچھلیاں پکڑ لی ہیں۔

صنعت کار بولا، شام ہونے میں بہت وقت ہے۔ مزید مچھلیاں پکڑ سکتے ہو۔

اس نے کہا، اتنی مچھلیوں کا کیا کروں گا؟

صنعت کار نے کہا، زیادہ پیسے کماؤ گے۔ پھر چپو سے چلانے کے بجائے کشتی میں موٹر لگالینا۔ گہرے پانی میں جانا اور بڑی مچھلیاں پکڑنا۔ اتنے پیسے ہو جائیں گے کہ نائیلون کے جال خرید لوگے۔ زیادہ مچھلیاں جال میں آئیں گی اور دوسری کشتی خریدنے کے لئے رقم جمع ہو جائے گی۔ جلد تمہارے پاس کشتیوں کا بیڑا ہوگا اور میری طرح امیر ہو جاؤ گے۔

ماہی گیر نے عدم دلچسپی سے پوچھا، اس کے بعد میں کیا کروں گا؟

صنعت کار نے کہا، پھر آرام سے بیٹھنا اور زندگی کا لطف اٹھانا۔

ماہی گیر مسکرایا اور پوچھا، تو تمہارے خیال میں ابھی میں کیا کر رہا ہوں ــــ؟

---

مقامِ فکر ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور کس راستے پر گامزن ہیں۔ عارضی دنیا کو حقیقی سمجھنے والا بار بار لوگوں کی حق تلفی کرتا ہے۔ صرف اپنی نوع کی نہیں ــــ آسمان، زمین، جمادات، نباتات، حیوانات، حشرات، اجناس اور دوسرے وسائل، مختصر یہ کہ جتنے نظام

ہیں، سب کی حق تلفی ہوتی ہے۔ جب کہ یہ سب خدمت میں مصروف ہیں۔ خودغرضی کی طرح حق تلفی بھی تخریب ہے۔ تخریب کی بنیاد شک ہے اور شک اللہ سے دوری ہے۔ اللہ سے دوری سے خیالات کثیف ہوتے ہیں اور فرد لاعلاج بیماری میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

یہ دنیا ایجادات کی دنیا کہلاتی ہے۔ ایجادات میں وہ اسباب شامل ہیں جن سے یقین کی دنیا الوژن میں تبدیل ہورہی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ آج کے مقابلے میں گزرے ہوئے زمانوں میں ایجادات کا سلسلہ بہت وسیع تھا جس کی نقل کو آج نئی ایجادات کہا جارہا ہے۔

دانش ور کہتے ہیں کہ یہ شعور کی معراج کا دور ہے لیکن حالات شاہد ہیں کہ یہ نافرمانی، درماندگی، خودغرضی، حق تلفی، بیماریوں، وبائی امراض اور آفاتِ ارضی وسماوی کا دور ہے۔ قبرستان کی جگہ تنگ ہوگئی ہے۔

بلاشبہ موجودہ حالات ہمہ گیر ہیں مگر انہیں دعوت خود آدمی نے دی ہے۔

ستّر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والی ہستی مہربان ہے، رحم اور درگزر کرتی ہے۔ آخر وقت تک بندے کو ہدایت دیتی ہے کہ وہ نظام کائنات اور خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش سے گریز کرے۔ جب بندہ ''صدائے غیب'' نہ سننے کے لئے بہرہ ہوجاتا ہے — ارضی و سماوی آفات آتی ہیں اور جال بچھ جاتا ہے۔

•• ———— ••

ہر بندہ بشر سوچتا ہے کہ کس نے میرے لئے کیا کیا۔ اس کو یہ خیال نہیں آتا کہ میں نے دوسروں کے لئے کیا کیا۔ نظام کائنات پر غور کریں — پوری کائنات رحمت کی چادر میں لپٹی ہوئی ہے لیکن آدمی کے گرد لپٹے ہوئے ایک پرت ابلیسیت سے زندگی کانٹوں بھرا سیج بن گئی ہے۔ غذائی صورت حال ناگفتہ بہ ہے۔ قوت مدافعت کم زور ہونے کی وجہ سے اعصابی نظام درہم برہم ہورہا ہے اور عمر کم ہورہی ہے۔ صورت حال ایسی ہے کہ آدمی مرتا ہے نہ جیتا ہے — جیتا ہے نہ مرتا ہے جب کہ ہر آدمی جینے کی خواہش رکھتا ہے لیکن دانائے روزگار دنیا

کی زندگی کو مختصر کرنا چاہتے ہیں اس طرح کہ جنت نظیر زندگی ـــــ؟ـــــ* بن گئی ہے۔

جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور مخلوق خدا پر خرچ نہیں کرتے، بھوکوں کو کھانا نہیں کھلاتے، بے لباس لوگوں کے لئے لباس کا انتظام نہیں کرتے، اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے اور ماتھا نہیں ٹیکتے، ان کا جو حشر ہوتا ہے تاریخ دہراتی رہتی ہے۔ اگر تاریخ یاد نہیں ہے تو پچھلی قومیں اس لئے تباہ ہو گئی تھیں کہ انہوں نے اصل زندگی فراموش کر دی تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایک مچھر نے بادشاہِ وقت نمرود کے دماغ میں داخل ہو کر اسے بے بس کر کے ہلاک کر دیا۔

رحیم و کریم اللہ کی سنت ہے کہ وہ مخلوق کو تباہ کن حالات سے متنبہ کرتا رہتا ہے کہ آدمی جو کچھ کرتا ہے اس کی سوچ کا ذرّہ ذرّہ ''خفی'' میں تحریر ہے۔

''پھر جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی، وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔'' (الزلزال: ۷۔۸)

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آپ کیا سمجھے علیین کیا ہے اور آپ کیا سمجھے سجین کیا ہے؟

سجین: اسفل مقام، عذاب ناک زندگی، نیند نہ آنا، آگ کی لپٹیں، کھانے کے لئے تھوہر، غیبت کرنے والوں کی غذا بھائی کا خون اور پینے کو کھولتا گرم پانی ہے۔

علیین: اعلیٰ مقام، جنت نظیر زندگی، سکون و راحت کی نیند، نہ گرم و سرد موسم، حیات آویز ہوائیں اور وہ سب کچھ جو انسان چاہتا ہے موجود ہے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ ''آج کی بات'' پڑھ کر گزرے ہوئے کل کی بات پر تاریخ کے حوالے سے تفکر کریں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیطان اور ذریت شیطان کی انسپائریشن سے محفوظ رکھے اور علیین میں مقام عطا فرمائے، آمین۔

اللہ حافظ



---

* خط کشیدہ خالی جگہ پُر کریں۔

# فقیر کی ڈاک

تفکر ــــ ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ غور وفکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی ــــ عرفان نفس اور معرفت الٰہی ہے۔ ''فقیر کی ڈاک'' اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ذہن کی پرتوں کو کھول کر لاشعور کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

---

السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

ڈیجیٹل مارکیٹنگ کے شعبے سے منسلک ہوں۔ میں اس دنیا میں رہتے ہوئے دوئی سے نکلنا اور اللہ کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے۔

گیتی آرا، نیویارک

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ،

جو کچھ آپ نے پڑھا، وہ کیسے پڑھا۔ اس کی تفصیل لکھیں۔

میں ایک بندہ بشر ہوں۔ سوال ہے کہ پہلی جماعت سے ماسٹرز تک تعلیم کے لئے کیا کرنا ہوگا؟

ہم جب ایسے ملک کی سیر کرنا چاہتے ہیں جہاں پہلے کبھی نہیں گئے تو بتایئے کیا کرتے ہیں ــــ؟

ظاہر ہے اس ملک جانے اور سفر کے لئے ضروری لوازمات پورے کرتے ہیں۔ سردی ہے تو سردی کی مناسبت سے لباس کا انتخاب کرتے ہیں۔ سردی سے بچنے کے لئے لباس کا انتخاب وہ نہیں ہوتا جو گرمی میں پہنا جاتا ہے۔ تیاری کے بغیر ہم ایک ملک سے دوسرے ملک نہیں جاتے۔

اللہ کی مخلوق ہونے کے رشتے سے سب جانتے ہیں کہ اللہ ہمارا خالق اور مالک ہے۔ اللہ کو جاننے کے لئے وہ راستہ اختیار کرنا ہوگا جو قدم قدم چلا کر منزل سے قریب کردے۔

غور کیجئے ــــ کُن کے بعد جب کائنات تخلیق ہوئی تو ہم نے اللہ کو دیکھا اور اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے۔ یعنی اللہ کے پاس سے آئے ہیں اور ہر روز اللہ کی طرف جانے والے راستے پر چل رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں تمہاری رگِ جاں سے زیادہ قریب ہوں۔ میں ہی اول ہوں، آخر ہوں، ظاہر ہوں اور باطن ہوں۔

ہمیں اپنا وجود نظر نہیں آتا لیکن — نظر آتا ہے۔ ہم اس بات سے واقف ہیں کہ ہم مخلوق ہیں اور ہمارا پیدا کرنے والا اللہ ہے، ازل میں اللہ کو دیکھ چکے ہیں اور اللہ کی حاکمیت کا اقرار کر چکے ہیں۔

اللہ نے جب چاہا، ہم پیدا ہو گئے۔ پیدا ہونے سے پہلے ہم کہاں تھے — ؟ پیدا ہوتے ہیں — ایک دن کا بچہ دو دن کا ہوتا ہے اور جب تک دس دن نہیں گزر جاتے، بچہ دس دن کا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب تک بیس (20) سال نہیں گزر جاتے بچہ 20 سال کا نہیں ہوتا۔ آپ سے سوال ہے کہ وہ 20 سال کا خوب صورت جوان جو پیدا ہونے کے بعد اپنے ارادے سے بیٹھ نہیں سکتا تھا، آج 20 سال کا ہو گیا۔ وہ 20 سال کہاں گئے — ؟

اگر 20 سال غائب نہ ہوں تو کیا ایک دن کا بچہ جوانی میں قدم رکھ سکتا ہے — ؟

آدمی بوڑھا ہوتا ہے اور غائب ہو جاتا ہے۔ کہاں غائب ہو جاتا ہے — ؟ جہاں سے وہ آیا تھا۔

وہ کہاں سے آیا تھا — ؟ اس مقام کو غیب کہتے ہیں۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھیں اور اس میں مخفی راز پر غور کریں کہ آدمی جب ظاہر ہوا تو سب سے پہلے اس نے اللہ کی آواز سنی، اللہ کو دیکھا اور اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ تمام الہامی کتابوں میں یہ بات لکھی ہے اور ساری مخلوق جانتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ فزیکل باڈی یعنی جسمانی اعضا کام کرتے ہیں۔ اگر توانائی، انرجی یا روح نہ ہو تو حرکت تذکرے میں نہیں آتی۔ پھر جسمانی اعضا کی حیثیت کیا ہوئی اور ہم کون ہیں — ؟

خالقِ کائنات اللہ جب مخلوق سے مخاطب ہوا تو کہا — کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

مخلوق نے اللہ کی آواز سنی، مخلوق نے اللہ کو دیکھا اور اللہ کو دیکھنے کے بعد سجدہ کیا۔

پہلے ہم نے اللہ کی آواز سنی، اس سے ہمیں سماعت منتقل ہوئی۔ ہم آواز کی طرف متوجہ ہوئے۔ ادراک ہوا کہ کوئی ہے جو ہم سے مخاطب ہے۔ اور اللہ کو دیکھ کر ہم نے اللہ کے سامنے اپنا ماتھا ٹیک دیا۔

پیاری بیٹی! ہم نے پہلی آواز اللہ کی سنی اور اللہ کی آواز کو سننے کے بعد اللہ کو دیکھا۔

ہماری نظر کا پہلا ہدف اللہ کی آواز سننا اور اللہ کو دیکھنا ہے۔

دعا گو، عظیمی

(13 مارچ، 2019ء)

# نامے میرے نام

کرم فرما خواتین وحضرات نے ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو دل کی گہرائیوں سے نہ صرف پسند کیا ہے بلکہ قبول فرما کر روپ بہروپ کو دلہن کا روپ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قارئین کی خدمت کی توفیق دیں۔ رابطے کے قدیم وجدید وسائل کے ذریعے موصول ہونے والے خطوط میں سے منتخب خطوط شائع کئے جارہے ہیں۔

اپریل 2020ء کے ''آج کی بات'' پر موصول ہونے والے خطوط:

**دلشاد خاتون (کینیڈا):** دریا کی تمثیل سے فکر کے دریچے کھلے۔ میں نے پڑھا کہ ''دریا کنارے استاد اور شاگرد بہتے ہوئے پانی کو بغور دیکھ رہے تھے۔ استاد کا ذہن خاموش اور شاگرد کے ذہن میں بہتی ہوئی موجوں کا عکس تھا۔'' میں یہ سمجھی ہوں کہ دریا میں شور اور تلاطم ہوتا ہے۔ شاگرد نے دریا کا عکس قبول کیا اس لئے اس کا ذہن بہتی ہوئی موجوں کا عکس تھا جب کہ استاد کا ذہن دریا کو غور سے دیکھنے کے باوجود سمندر تھا۔ سمندر میں ٹھہراؤ ہوتا ہے۔

**عزیز حسین (ملتان):** راستہ ایک ہے مگر ذہن کی پیدا کردہ طلسماتی دنیا کی وجہ سے دو نظر آتا ہے۔ دوسرے راستے میں رنگ خوش نما مگر ہر شے سراب ہے اور سراب اضطراب ہے۔

**سبنگین ساجد (لاہور):** راستہ ہموار ہو یا ناہموار — زندگی جس رخ پر سفر کر رہی ہے، وہ راستہ اختیار کرنے سے منزل آجاتی ہے۔ شک کی وجہ سے متضاد رخ اختیار کر کے ہم اپنے لئے پریشانیوں کا سامان پیدا کرتے ہیں۔

**سمیرہ آفتاب (دبئی):** پانی حرکت کی وجہ سے آگے بڑھ رہا ہے۔ پانی خود سے حرکت نہیں کرتا، کوئی قوت اس کے اندر حرارت پیدا کرتی ہے، حرارت سے خلا بنتا ہے اور پانی آگے بڑھتا ہے۔

**گلستان احمد (ٹیکسلا):** اپریل 2020ء کے ''آج کی بات'' پر غور کیا۔ عظیمی صاحب کی تحریر ذہن وحواس کو مجلّا کر کے صراطِ مستقیم کی شاہراہ پر ڈال دیتی ہے۔ جاننا چاہتا ہوں کہ میری فطرت (تخلیقی فارمولے) کیا ہے تاکہ حکمِ خداوندی کی اطاعت میں، اس فطرت پر قائم ہو جاؤں؟

★ قرآن کریم میں سورہ روم کی آیت نمبر 30 پڑھیں اور تفکر کریں۔

**ارجمند ناصر (ٹیکساس):** مثال کے ذریعے عمل اور ردعمل کے قانون کی وضاحت ہے۔ شاگرد نے سمجھا کہ

موجوں کا بہنا ردعمل ہے۔ استاد نے تصحیح کی کہ یہ حرکت کے مطابق پانی کا عمل ہے۔ بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ پانی اصل سے دور ہوتا ہے اور اصل کے مطابق لوٹ جاتا ہے۔

**محمد حمزہ (جدہ):** فطرت کی تعریف بیان کی گئی ہے کہ مخلوقات لہروں میں حرکت کی رفتار اور مخصوص طوالت سے وجود میں آتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کائنات میں بے شمار چھوٹی بڑی لہریں ہیں۔ ان میں کوئی لہر ایسی ہے جس کی طوالت کائنات کے برابر ہو؟

**محمد فیضان اسلم:** گھر میں بیٹھ کر مراقبہ کے علاوہ فطرت سے کیسے قریب ہوا جا سکتا ہے؟

★ **جواب صفحہ نمبر 21 کی پندرھویں سطر میں مخفی ہے۔**

**سیما راشد (کراچی):** فطرت سے وابستگی کے لئے زندگی کی بیلٹ پُرسکون شاہراہ ہے۔ فی الوقت دنیا جس چیلنج سے گزر رہی ہے، انفارمیشن ٹیکنالوجی کے عروج میں کرونا جیسی وبا نے سب کو بے بس کر دیا ہے۔ مگر یہ بھی دیکھیں کہ اموات کے باوجود زندگی سفر میں ہے۔ یعنی ہمارے پاس موقع ہے کہ ہم نافرمانی چھوڑ کر فطرت کی پیروی کریں۔

## اپریل 2020ء کے مضامین پر قارئین کی آرا اور تبصرے:

**حذیفہ (کراچی):** ''آج کی بات'' کے بعد ''پیرا سائیکالوجی سے مسائل کا حل'' میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ دلچسپ طریقِ علاج ہے۔ فطرت کے نظاروں میں سارے مسائل کا حل ہے۔ جیسے ایک صاحب کے غصے کو کم کرنے کے لئے ستارہ بینی تجویز کی گئی۔ نوٹ میں درج ہے کہ اجازت کے بغیر علاج نہ کریں۔ میں غباروں کے ذریعے خوف دور کرنے والا علاج کرنا چاہتا ہوں۔ اجازت درکار ہے۔

**ڈاکٹر محمد صفدر (امریکا):** اپریل 2020ء میں مضامین کا انتخاب عمدہ ہے۔ ہیروشیما کا پہاڑ بہت پسند آیا۔ میرا خیال ہے کہ اس کی مزید وضاحت کر کے اسے کسی سائنسی جرنل میں بھیجا جا سکتا ہے۔ یہ تجویز بھی ہے کہ ادارہ اب تک شائع ہونے والے اس طرح کے مضامین کو کچھ عرصے بعد دوبارہ شائع کر سکتا ہے تاکہ اچھی تحریر دہرائی جاتی رہیں۔ کیا میں جان سکتا ہوں کہ ادارے کے نام سے مضامین کون لکھتا ہے—؟

**نور خالق (چشمہ میانوالی):** کہانی ''میں ہوں گدھا، تو ہے گدھا'' پر آن لائن مذاکرے میں 18 بچوں نے حصہ لیا۔ تین (3) بچوں نے برطانیہ سے شرکت کی۔ چھ (6) بچوں کا تعلق گجرات (پاکستان) اور باقی نو (9) بچے ضلع چشمہ سے تھے۔ کہانی پڑھ کر آدمی اور انسان کے فرق کو جاننے کی کوشش کی۔ سبق سیکھا کہ ناشکری نہیں کرنی چاہئے۔ کسی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ سب کی تخلیق کا مقصد ہے۔ انسان کا مقصد اللہ کی پہچان، اللہ سے قربت، اللہ سے دوستی اور مخلوق کی خدمت ہے۔

بلال حسن

# یہ کیسا معالج ہے

بچہ مہنگے اسکول میں پڑھ کر تمیز نہ سیکھے اور اندر میں اٹھنے والے شور کو خاموش نہ کر سکے تو جتنا پڑھا، سب صفر ہے۔ آدمی مالی لحاظ سے کامیاب کیوں نہ ہو، زندگی رویوں پر قائم ہے۔

ایک نوجوان حکمت سیکھنے کے لئے درس گاہ میں داخل ہوا۔ خیال تھا کہ مراقبہ کی مشقیں ہوں گی، روزے رکھوائے جائیں گے، لباس سادہ اور خوراک قلیل ہوگی اور دن کا بیش تر حصہ گہرے سانس لینے والے خاموش پہاڑوں کے درمیان میں، بند آنکھوں سے، اندر دیکھنے میں گزرے گا۔

مرشد نے نوجوان کی توقعات کے برعکس پہلے روز حکم دیا، میرے لئے پتھروں سے گھر بناؤ۔

تعمیر مکمل ہوئی اور مرشد گھر دیکھنے آئے۔

وہ پُرامید تھا کہ گھر پسند آئے گا لیکن مرشد نے عدم اطمینان کا اظہار کیا اور گرا کر از سرِ نو تعمیر کرنے کو کہا۔

نوجوان کو دھچکا لگا۔ ضبط سے چہرہ سرخ ہو گیا۔

مرشد اس کی طرف دیکھے بغیر واپس آ گئے۔

یہ سلسلہ کئی سال جاری رہا۔

وہ گھر بناتا اور مرشد یہ کہہ کر کہ گھر معیار کے مطابق نہیں، گرانے کا حکم دیتے اور دوبارہ تعمیر کرنے کو کہتے۔ اس عرصے میں مراقبہ بھی ہوا، کھانے پینے میں کمی کے ساتھ نیند کا وقفہ کم اور زیادہ بولنے سے منع کیا گیا۔ گھر تعمیر کرنے، توڑنے اور بنانے کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ جاری رہا۔

نوجوان درس گاہ میں داخل ہوا تھا تو مزاج غصیلا اور برداشت نہیں تھی۔ سالوں کی ریاضت کے بعد جب آج وہ مرشد کے پاس بیٹھا تھا تو اپنے اندر ٹھہراؤ اور خاموشی سے واقف ہو چکا تھا۔

ان سالوں میں مکان نہیں، اس کے بوسیدہ نظریات جو غصے، عدم برداشت اور احساس برتری پر مشتمل تھے، ریزہ ریزہ ہو گئے تھے۔ ایک بار توڑ کر انہی ٹکڑوں سے دوبارہ مکان تعمیر کرتا تو مرشد پھر گرانے کا حکم دیتے۔ آہستہ آہستہ غصہ مغلوب اور تحمل پیدا ہوا تو مکان ویسا بنا جیسا مرشد چاہتے تھے۔

ذہن مکان ہے۔ جب کوئی نظریہ زندگی کی آزمائش کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو اسے ترک کر دینا چاہئے۔ مکان گرا دیں یعنی طرزِ فکر تبدیل کریں اور ضرورت پڑے تو متعدد بار ذہن (مکان) کی تعمیر کریں۔ حالات کا

مقابلہ بوسیدہ نظریات سے نہیں ہوتا۔ بے ثمر عادت اگر حالات سے مطابقت نہ رکھتی ہو، اسے روایت سمجھ کر قائم رکھنا تکلیف کا سبب ہے۔

## یہ بھی پڑھئے .....

اس کی آنکھیں خشک تھیں — وہ اذیت میں تھا۔ تین دن پہلے خودکشی کی کوشش کی تھی۔ والد نے منہ سے جھاگ نکلتے دیکھا تو بروقت اسپتال پہنچایا— معدے کی صفائی ہوئی اور اللہ نے زہر پھیلنے سے محفوظ رکھا۔ خشک آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ ایک بار پھر اسی کیفیت میں ہے جس سے آزاد ہونا چاہتا تھا۔ آزاد ہونے کے لئے منتخب کیا گیا راستہ اخلاقی، سماجی اور مذہبی اعتبار سے غلط تھا کیوں کہ آدمی جس حال میں یہاں جیتا ہے، اسی حال میں دوسری دنیا میں اٹھتا ہے۔

میرا لڑکا ذہین ہے حکیم صاحب ! میں تصور نہیں کرسکتا کہ یہ خودکشی کے بارے میں سوچ سکتا ہے۔

بیٹے نے خالی نظروں سے باپ کو دیکھا اور سوچا کہ انہوں نے بے حد قربانیاں دیں، میری پرورش کی، مجھے پڑھایا، خود بے آرام ہوکر میرے آرام کا خیال رکھا اور میں نے ان کو مایوس کردیا۔

والد کے لہجے میں پریشانی اور آنکھوں میں غیر یقینی صورت حال ان تمام والدین کے جذبات کی ترجمان تھی جو حکیم صاحب کے پاس پہلے آچکے تھے۔ سب کا خیال تھا کہ بچوں کو مضبوط بنانے کے لئے روایتی تعلیم کافی ہے۔ والدین سمجھتے ہیں کہ تعلیم دانائی کے حصول اور مصائب سے نمٹنے میں مدد دیتی ہے لہٰذا سارا زور اس یقین کے ساتھ تعلیم پر لگا دیتے ہیں کہ جتنے اچھے گریڈ ہوں گے، ناخوشی کا امکان کم ہوگا۔

ماں باپ سمجھتے ہیں کہ اعلیٰ ڈگری بچوں کو مصائب سے محفوظ رکھتی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ اچھا ماحول نہ ملے تو اکثر نوجوان نشے کا سہارا لیتے ہیں، جسمانی یا نفسیاتی تشدد کی طرف مائل ہوتے ہیں یا نوکری نہ ملنے پر مایوس ہوجاتے ہیں۔ اعصاب میں ٹوٹ پھوٹ شروع ہوتی ہے تو جذبات توازن میں رکھنے کی راہ سجھائی نہیں دیتی۔

اچھے نمبروں سے کامیاب ہونے والے ذہین بچے خود کو نقصان پہنچاتے ہیں تو والدین کو دھچکا لگتا ہے۔ ان کی زندگی یقین کی جس عمارت کے گرد گھومتی ہے، وہ عمارت مسمار ہوجاتی ہے۔ وہ سوچتے ہیں ہماری تربیت میں کیا کمی تھی کہ یہ دن دیکھنا پڑا۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ تربیت نہیں ہوئی۔

تعلیم اور تربیت میں فرق ہے۔ تعلیم ایک حد تک معاش کے حصول میں مدد دیتی ہے اور دنیاوی لحاظ سے معیار زندگی کو بہتر بناتی ہے۔ خوشی کا دارومدار طرز فکر پر ہے اور طرز فکر تربیت سے بنتی ہے۔

بچہ مہنگے اسکول میں پڑھ کر تمیز نہ سیکھے اور اندر میں اٹھنے والے شور کو خاموش نہ کرسکے تو جتنا پڑھا، سب صفر ہے۔ آدمی مالی لحاظ سے کامیاب کیوں نہ ہو،

زندگی رویوں پر قائم ہے۔

لڑکے کی ماں سسکتے ہوئے پوچھ رہی تھی کہ ہم نے کہاں غلطی کی؟ ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟

ان جملوں میں روایتی پرورش کا پہلو نمایاں تھا۔ والدین کا ایثار اور قربانی اچھے مستقبل کے لئے سرمایہ کاری ہے۔ کون چاہتا ہے کہ اولاد بے تعلیم رہ جائے؟ کاش یہی سوچ تربیت کے لئے ہو۔ تربیت کے بغیر سرمایہ کاری نقصان ہے۔ والدین بچوں کو تعلیم دلاتے ہیں کہ بچے ہماری پہچان بن کر ادھورے خوابوں کی تکمیل کریں گے جیسے بچہ ان کی شناخت کے لئے پیدا ہوا ہے، اس کی اپنی کوئی شناخت نہیں؟

ماں باپ نے جاننے کی کوشش نہیں کی کہ بیٹا کس اذیت سے گزر رہا ہے۔ وہ شش و پنج میں تھے کہ ضروریات پوری ہونے کے باوجود لڑکے نے انتہائی قدم کیوں اٹھایا۔

بیٹے نے خود کو احسان فراموش سمجھ کر سر جھکا لیا۔

ماں بولی، اس نے جو چاہا ہم نے دیا۔

حکیم صاحب نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا کہ کیا واقعی ایسا ہے —؟ سب کچھ کسی کو نہیں ملتا۔ آخر ماں باپ ساری خواہشات کیوں پوری کرنا چاہتے تھے —؟ کیا اتنی تعلیم کے باوجود بیٹے میں خواہشات پوری کرنے، خوش رہنے اور مایوسی کی وجہ دریافت کر کے اس سے نکلنے کی اہلیت نہیں تھی؟

لڑکے کی پرورش نازک پودے کی طرح کی گئی تھی۔ قدرت کا قانون والدین کی خواہشات کے تابع نہیں، سب کے لئے یکساں غیر جانب دار ہے اور امیر غریب یا چھوٹے بڑے میں فرق نہیں کرتا۔ لڑکے نے کبھی حالات کا دباؤ محسوس نہیں کیا۔ ہر مشکل آسانی سے گزر گئی اور جس مشکل کی والدین کو خبر نہ ہوئی، وہ لڑکے تک آئی تو برداشت نہیں کر سکا۔

اس کے بہترین دوست کی بیماری میں موت ہوگئی۔ پہلی بار کھونے کے احساس سے گزرا تو ذہن مفلوج ہوگیا کہ جگری دوست کے بغیر کیسے جئے گا۔ دوست سے منسلک وجود کا ایک حصہ دوست کے ساتھ مر گیا اور دوسرا حصہ یعنی اپنے آپ کو خود ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔

چہرہ بتا رہا تھا کہ زندہ بچ جانے پر افسوس ہے۔

حکیم صاحب نے پوچھا، بیٹا! تمہارا کوئی مشغلہ ہے؟ سر ہلا کر انکار کیا۔

بیٹے کی جگہ باپ جواب دینا چاہتا تھا۔

حکیم صاحب نے روک دیا، یہ تکلیف میں ہے، اس کو بات کرنے دیں تاکہ اس تکلیف میں جو حصہ اس کا ہے، یہ اس کی ذمہ داری محسوس کرے۔

لڑکے نے فوراً سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور سوچا کہ کیا ناخوشی اور خوشی کا ذمہ دار میں خود ہوں؟

کیا دوست کے لئے رونا غلط ہے؟ اس نے پوچھا۔

والدین بول اٹھے، رونے سے واپس آسکتا ہے؟

حکیم صاحب نے انہیں اشارہ کیا کہ آپ خاموش

رہیں اور لڑکے سے کہا، رونا قدرتی عمل ہے۔ سب روتے ہیں۔ کوئی چھپ کے روتا ہے اور کوئی سب کے سامنے۔ لڑکے کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا۔

حکیم صاحب نے کہا، بیٹا! ہمیشہ یاد رکھنا کہ خود کو قبول کرنا شخصیت کی مضبوطی کا پہلا مرحلہ ہے۔ رد کرنے سے کم زوری ظاہر ہوتی ہے۔ خامیاں دور کرنے سے پہلے انہیں قبول کرو کہ ہاں مجھ میں یہ خامی ہے۔ ایسا کرنے سے ہم خامی پر غالب آجاتے ہیں پھر اسے دور کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

لڑکے نے کھوئے ہوئے لہجے میں دوست کی یادیں دہرانا شروع کیں اور رونے لگا۔

حکیم صاحب نے کچھ دیر رونے دیا۔ ماں باپ بیٹے کو ٹوٹا ہوا دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے۔ بیٹے کا انتہائی قدم اٹھانا ان کے لئے اب بھی سوالیہ نشان تھا۔

حکیم صاحب! میرے دوست کو ٹکٹ جمع کرنے کا شوق نہیں تھا لیکن ایک بار اس نے مجھے چند ٹکٹ دیئے تھے جو میرے پاس موجود ہیں۔

حکیم صاحب نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا، کیا تم مجھے وہ ٹکٹ دکھا سکتے ہو؟

لڑکے نے اثبات میں سر ہلایا۔

ماں باپ شش و پنج میں مبتلا تھے کہ لڑکے کا طبی معائنہ کیا نہ ادویات لکھ کر دیں، یہ کیسا معالج ہے! علاج کرنے کے بجائے ٹکٹ دیکھنا چاہتا ہے۔

دوست کے غم سے نبرد آزما ہونے کے لئے یہ ضروری تھا کہ خیالات کا رخ تبدیل کیا جائے۔

معالج چھوٹی سطح پر سہی، کوئی چیلنج دینا چاہتا تھا تاکہ احساس ذمہ داری پیدا ہو اور لڑکا معاشرے کے لئے اپنی اہمیت سے واقف ہو۔ موجود ہونے اور جینے میں فرق سیکھے۔ جب تک بندہ ناموافق حالات سے مطابقت پیدا کرنے کے فن سے آگاہ نہیں ہوتا، زندہ رہتا ہے لیکن زندگی نہیں جیتا۔

حکیم صاحب نے کہا، تم بھی ٹکٹ جمع کرو۔

لڑکا ہفتے میں ایک دن مطب آتا تھا۔ آہستہ آہستہ جھجک کم ہوئی۔ چوتھے ہفتے ٹکٹوں کا البم لے کر آیا۔

اس نے بتایا کہ ٹکٹ کو کاغذ سے اتارنے کے لئے بحفاظت پہلے متعلقہ حصے کو کاٹتے ہیں پھر پانی میں ڈبوتے ہیں تاکہ کاغذ اور ٹکٹ ازخود علیحدہ ہوجائیں۔ اس طرح ٹکٹ خراب نہیں ہوتا۔

حکیم صاحب یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

دراصل لڑکے نے کھیل کھیل میں غیر محسوس طریقے سے اہم سبق سیکھا کہ خامیاں کیسے دور کی جاتی ہیں۔ سختی سے الگ کرنے سے زخم آسکتے ہیں۔ اعتراف اور قبولیت کے پانی میں ڈالیں تو خامیوں کی پرتیں نشان چھوڑے بغیر ازخود ذہن پر سے اتر جاتی ہیں۔

حکیم صاحب کی معاونت میں لڑکے نے پردے میں رہنے کے بجائے خود کو زندگی کے سامنے پیش کیا۔ پہلے وہ متفرق ٹکٹ جمع کرتا تھا پھر خاص موضوع پر

بنے ہوئے ٹکٹ جمع کرنا شروع کئے۔ گاڑیوں کے ٹکٹ جمع کئے تو گاڑیوں سے متعلق گفتگو کی۔

حکیم صاحب نے بتایا کہ گاڑی خراب ہو تو ماہر ڈرائیور بھی اسے نہیں چلاسکتا۔ پہلے مسئلے کی نشان دہی کرتے ہیں پھر مسئلے کو حل کرتے ہیں۔ جسم بھی گاڑی ہے جس کا ایندھن خیالات ہیں۔ ایندھن معیاری ہونے سے گاڑی اچھی چلتی ہے۔

انہوں نے کبھی تاثر نہیں دیا کہ میں تمہارا علاج یا ذہن سازی کررہا ہوں۔ وہ اس کے دوست بن گئے اور اسے وقت دیتے تھے۔ اس لئے لڑکا ان کی ہر بات غور سے سنتا اور عمل کرتا۔ حکیم صاحب نے دوست کی کمی کا خلا پُر کیا۔

اگلے ہفتے کے ٹکٹ معروف شخصیات پر تھے۔ دونوں نے ان لوگوں کے بارے میں گفتگو کی جنہوں نے ذات برادری کی تفریق کے بغیر معاشرے کی خدمت کی اور مظلوم طبقے کے لئے آواز اٹھائی۔

باتوں کے دوران لڑکے نے محسوس کیا کہ میں بھی زندگی سے بہتر کام لے سکتا ہوں۔

لڑکا غیر محسوس طریقے پر زندگی کی طرف لوٹ آیا تھا۔ معالج نے کیا کیا — ؟ لڑکے کو وقت دیا، اس کی باتیں سنیں اور سوچ کا رخ بدل دیا۔

لڑکا سانحے سے گزرا تھا، سانحے سے گزرنے کی سکت پیدا ہوگئی تھی۔ اس نے خود کو ختم کرنے کا انتہائی قدم اٹھایا — جس پر وہ پشیمان تھا لیکن حکیم صاحب اس بارے میں بات نہیں کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ لڑکا خود بات کرے۔ حکیم صاحب کے بات کرنے سے ممکن تھا کہ مایوسی کا خول طاری ہوجائے۔ اور لڑکا خود ذکر کرے تو یہ بیداری کی صلاحیت پیدا ہونے کی نشان دہی ہے۔

چند ہفتے بعد وہ پرندوں کی تصاویر والے ٹکٹ لے کر آیا اور شہباز کی تصویر میز پر رکھتے ہوئے بولا، حکیم صاحب! میں تیار ہوں۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ چہرے پر سے غم اور مایوسی کی چھاپ مٹ گئی تھی۔ اس نے کہا، میں آپ کے ساتھ کام کرکے ان لوگوں کو زندگی کی طرف لانا چاہتا ہوں جو خود سے مایوس ہیں۔

ہم روز مایوسی کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں اور خود کو محدود، ناکارہ اور تاریکی میں گم دیکھتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ میں فلاں سے بات نہیں کرسکتا، اس کے سامنے نہیں جاسکتا، لوگوں سے بات کرتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی ہے، ہاتھ پیر پھول جاتے ہیں، احساس کم تری میں مبتلا ہوں، غصے پر قابو نہیں ہے، میں خوب صورت نہیں ہوں، نئی زبان نہیں سیکھ سکتا، میرے اندر تخلیقی صلاحیت نہیں، مجھے لکھنا، بولنا، پڑھنا اور سوچنا نہیں آتا۔ اپنی سوچ نہیں بدل سکتا، بات درست ہے لیکن میرے لئے نہیں، میں بشر اور کم زور ہوں، مایوسی سے باہر کیسے نکلوں، میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا، خوف

کا سامنا کیسے کروں؟ وغیرہ۔ ایسے لاشمار فرضی عقائد ہمیں محدود کر دیتے ہیں۔ ہم ان عقائد کو درست سمجھ کر خود کو موقع نہیں دیتے اس طرح 'ناممکن' کے خوف کی وجہ سے جینے کے مواقع مشکوک بنا دیتے ہیں۔

بظاہر ہم کائنات کا جز ہیں — بباطن پوری کائنات ہمارے اندر ہے۔ کائنات میں ہزاروں عالمین ہیں لہٰذا ہماری صلاحیتیں لامحدود ہیں۔ لامحدودیت میں داخل ہونے کے لئے محدودیت کی دیواروں کو توڑنا ہے۔ دیواریں گرنے سے ہر طرف لامحدودیت ہوگی۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ محدودیت سے نکلنے کا راستہ خوف کا سامنا کرنا ہے۔ خامی کا اعتراف — خامی پر غلبہ پانا ہے۔ غصہ آتا ہے تو اعتراف کریں کہ ہمارے اندر احساس برتری اور احساس کم تری ہے۔ نشان دہی ہونے سے غصہ کم ہونا شروع ہو جائے گا۔

لڑکے کے جانے کے بعد حکیم صاحب سوچ رہے تھے کہ ذہن مکان ہے۔ اگر کوئی نظریہ زندگی کے امتحان پر پورا اترنے کے قابل نہیں تو اسے ترک کر دینا چاہئے۔ مکان مسمار کر کے دوبارہ تعمیر کرنا چاہئے۔

مرشد یہی کرتا ہے، ذہن توڑتا ہے، شاگرد ان ٹکڑوں سے دوبارہ گھر جوڑتا ہے۔ مرشد ضرب در ضرب لگاتا ہے جب تک کہ شاگرد بوسیدہ ٹکڑے چھوڑ کر آگے نہ بڑھ جائے۔ پھر مرشد اس مٹی سے شاگرد کے لئے گھر بناتا ہے جس میں وہ خود رہتا ہے۔

## گلزارِ معرفت

دنیا میں کون کون نہ یک بار ہو گیا
پر منہ پھر اس طرف نہ کیا، اس نے جو گیا

پھرتی ہے میری خاک صبا در بدر لئے
اے چشم اشکبار، یہ کیا تجھ کو ہو گیا

آگاہ اس جہاں سے نہیں غیر بے خوداں
جاگا وہی، ادھر سے جو منہ ڈھانک سو گیا

طوفان نوحؑ نے تو ڈبوئی زمیں فقط
میں ننگ خلق، ساری خدائی ڈبو گیا

برہم کہیں نہ ہو گل و بلبل کی آشتی
ڈرتا ہوں، آج باغ میں وہ تند خو گیا

واعظ! کسے ڈرائے ہے یوم الحساب سے
گریہ تو نامۂ اعمال دھو گیا

پھولے گی اس زباں میں بھی گلزارِ معرفت
یاں میں زمین شعر میں یہ تخم بو گیا

آیا نہ اعتدال پہ ہرگز مزاج دہر
میں گرچہ گرم و سرد زمانہ سمو گیا

اے دردؔ! جس کی آنکھ کھلی اس جہان میں
شبنم کی طرح جان کو اپنی وہ رو گیا

(کلام: خواجہ میر دردؔ)

# بلیک ڈیتھ

وبائی امراض پیدا ہونے میں انسانی سرگرمیاں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ بیش تر وبائی امراض جانوروں سے انسانوں میں منتقل ہوئے لیکن وجہ انسانی سرگرمیاں رہیں۔

- 165ء میں اس وقت کی طاقت ور سلطنت روما میں طاعون پھیلا۔ دس سال میں 50 لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔
- 541ء میں بازنطینی سلطنت طاعون کی لپیٹ میں آئی۔ وبا طویل عرصہ رہنے سے کروڑوں افراد ہلاک ہوئے۔
- بلیک ڈیتھ بھی طاعون کی وبا تھی جس سے 14 ویں صدی میں یورپ کی 30 سے 60 فی صد آبادی کم ہوگئی۔
- 17 ویں صدی میں طاعون کی ایک اور وبا سے اس وقت لندن کی 15 فی صد آبادی ہلاک ہوئی۔
- رشین فلو سے دس لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔
- جنگ عظیم اول کے دوران اسپینش فلو نے تباہی مچائی۔
- ایشین فلو پرندوں سے پھیلا۔ کم از کم دس لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔
- سوائن فلو سے دنیا کی تقریباً 20 فی صد آبادی متاثر ہوئی اور تقریباً دو لاکھ 84 ہزار افراد ہلاک ہوگئے۔
- چمگادڑوں میں انسانوں کے لئے ساٹھ سے زیادہ مضر وائرس پائے جاتے ہیں مگر چمگادڑ ان وائرسوں کو پھیلانے کے بجائے اپنے اندر رکھنے پر مامور ہے۔

تاریخ میں کئی ایسے دور آئے جب دنیا خوف ناک وبائی امراض کے سامنے بے بس ہوگئی۔ اس وقت دولت، ذہانت اور طاقت نے ان آفات پر قابو پانے میں مدد کی نہ بلند و بالا قلعے طوفانوں کو روک سکے۔ طاقت ور ممالک آفات کے غیر مرئی میکانزم کے آگے تنکے کی مانند کم زور اور بے وزن ہوگئے۔

حالیہ وبا (Covid 19) کی ابتدا چین کے شہر ووہان سے ہوئی اور چند مہینوں میں دنیا میں پھیل گئی۔ جب تک یہ وبا چین میں تھی، epidemic کی درجہ بندی میں رہی، چین کی سرحد سے نکل کر دوسرے ممالک میں پہنچی تو pandemic کہلائی۔

Covid 19 سے زمین پر انسانی نقل و حرکت محدود ہوگئی۔ اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں غیر معینہ مدت تک کے لئے بند ہوچکی ہیں۔ تجارت و کاروبار متاثر ہونے اور صنعتیں بند ہونے سے معیشت کو نقصان پہنچا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں نظامِ صحت بوکھلاہٹ کا شکار ہے۔ مقامی اور بین الاقوامی پروازیں رک گئی ہیں۔ لاکھوں افراد اس مرض سے متاثر ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں اموات ہوچکی ہیں۔ مختصر یہ کہ اس وبائی مرض نے ترقی یافتہ دنیا کو حواس باختہ کردیا ہے۔ تاہم

ماضی میں اس سے زیادہ سنگین اور مہلک وبائیں گزر چکی ہیں جن سے لاکھوں لوگ لقمۂ اجل بنے۔

ان میں سے چند پر نظر ڈالتے ہیں۔

انٹونین طاعون: 165ء کی بات ہے جب سلطنت روما ناقابلِ شکست سمجھی جاتی تھی، ایک وبائی مرض جس کو انٹونین طاعون کا نام دیا گیا، تیزی سے پھیلا اور سلطنت روما کو گھٹنوں کے بل لے آیا۔ مشرق وسطیٰ اور مغربی ایشیا میں کامیاب فوجی مہم کے بعد سپاہی وطن لوٹے تو مال غنیمت کے ساتھ نادیدہ بیماری بھی ہمراہ لائے۔ وہ جس شہر سے گزرے، بیماری کے جراثیم پھیلاتے ہوئے آگے بڑھے۔ پراسرار وبا نے سلطنت کے گنجان آباد شہروں کو زیادہ متاثر کیا۔ علاوہ ازیں رومیوں کے مال بردار بحری جہاز جس ساحل پر لنگر انداز ہوتے، وبا پھیل جاتی۔ ایک دہائی سے زیادہ مدت تک خوف و ہراس پھیلانے کے بعد جب یہ وبا ختم ہوئی تو تقریباً 50 لاکھ اموات ہو چکی تھیں۔

جسٹینین طاعون: 541ء میں بازنطینی سلطنت* کا دارالحکومت قسطنطنیہ* وبائی مرض کی لپیٹ میں آ گیا۔ طاعون مال بردار بحری جہازوں کے ذریعے پھیلا۔ جہازوں میں کترنے والے چھوٹے جانوروں جیسے چوہوں کی بہتات ہوتی تھی۔ چوہوں کو بیماری لگتی ہے تو پسو* ان پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ پھر جس شے یا فرد پر بیٹھتے ہیں، بیماری منتقل ہوتی ہے۔

مصر بازنطینی سلطنت کا حصہ تھا۔ یہاں سے اناج کی بڑی پیداوار حاصل ہوتی تھی۔ اناج سے بھرے مال بردار جہاز جس بندرگاہ پر رکے، جراثیم وہاں پھیلے۔ اناج استعمال کرنے والے بھی وبا سے محفوظ نہ رہے۔

جسٹینین طاعون تاریخ کی مہلک وباؤں میں سے ہے جس میں دو صدیوں کے دوران تقریباً ڈھائی سے دس کروڑ افراد کی موت ہوئی۔ بتایا جاتا ہے کہ جس عرصے میں یہ طاعون اپنی انتہا پر تھا، قسطنطنیہ میں تقریباً پانچ ہزار افراد روزانہ مرتے تھے۔ نتیجے میں دارالحکومت کی 40 فی صد آبادی ختم ہوگئی۔

بلیک ڈیتھ: گلٹی دار طاعون کی وبا تھی جو عالمی سطح پر پھیلی۔ پہلے نظامِ تنفس متاثر ہوتا پھر کھانسنے یا چھینکنے سے جراثیم دوسروں کو منتقل ہو جاتے تھے۔ جب جراثیم جسم میں داخل ہوتے تھے تو گلٹیاں پھول کر سیاہ ہو جاتی تھیں۔ یہ وبا وسطی یا مشرقی ایشیا سے تجارتی راستوں کے ذریعے یورپ میں داخل ہوئی۔ اس نے 1347ء اور 1351ء کے درمیان یورپ میں بڑی تباہی مچائی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ طاعون ایک بار ختم ہو کر کئی بار ظاہر ہوا جس سے یورپ کی 30 سے 60 فی صد آبادی ختم ہوگئی۔ اس زمانے کے ایک فن پارے* سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ڈھنڈورچی منادی کر رہا ہے

* بازنطینی سلطنت (مشرقی روم) * قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) * پسو (خون چوسنے والے کیڑے) * فن پارے (پینٹنگ)

کہ متاثرہ خاندان اجتماعی تدفین کے لئے اپنے مُردوں کو گھروں سے باہر لے آئیں۔

بلیک ڈیتھ کے یورپ پر معاشرتی، معاشی اور مذہبی لحاظ سے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ ڈاکٹروں کے پاس علاج نہیں تھا۔ نام نہاد مذہبی حلقوں پر سے لوگوں کا یقین اٹھ گیا اور انہوں نے روحوں کی نجات یا دعا کے لئے ان کے پاس جانا چھوڑ دیا۔ عوام کی بڑی تعداد نے تسلیم کیا کہ یہ اللہ کا عذاب ہے۔ اللہ سے قربت کے لئے لوگ علمائے حق اور تصوف کی تحریکوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

گریٹ پلیگ آف لنڈن (1665-1666ء):

اس الم ناک طاعون سے تقریباً ایک لاکھ افراد یعنی اس وقت کی آبادی کا تقریباً 15 فی صد ہلاک ہوا۔ چھوٹا حشرہ جس نے بیمار چوہے کا خون چوسا، سینکڑوں افراد کی ہلاکت کا سبب بن گیا۔ مرنے والوں کو کفن میسر آیا نہ آخری رسومات ادا ہوئیں — سب کو اجتماعی قبروں میں ایک ساتھ دفن کر دیا گیا۔

ذیل میں بچوں کی ایک معروف انگریزی نظم اس وبائی دور سے منسوب کی جاتی ہے۔

Ring-a-ring o'roses,

A pocket full of posies,

A-tishoo! A-tishoo!

We all fall down.

وکی پیڈیا کے مطابق بچوں کی نظموں پر تحقیق کرنے والے محققین Peter اور Lona Opie کہتے ہیں،

''چھینکوں اور گرنے کے الفاظ سے اس نظم کے تانے بانے گریٹ پلیگ سے جڑتے ہیں۔ سرخ دانے طاعون کی علامت ہیں، اور جڑی بوٹیوں کا گچھا حفاظت کے لئے لوگ ساتھ لئے پھرتے تھے جو ان کو مرض کی بدبو سے دور رکھتا تھا۔ چھینکنا یا کھانسنا مہلک بیماری کا آخری مرحلہ تھا جس کے بعد متاثرہ فرد گر جاتا یعنی مر جاتا تھا — اور یہی لندن پلیگ میں ہوا۔''

ہیضہ: گزشتہ دو سو سالوں میں ہیضے کے سات وبائی دور آئے جس نے لاکھوں لوگوں کی جان لی۔ ہیضہ 1817ء میں جیسور سے شروع ہوا اور دنیا بھر میں پھیلا۔ صرف انڈونیشیا کے جزیرے جاوا میں تقریباً ایک لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ ہیضہ شدید اسہال کا مرض ہے جو مخصوص بیکٹیریا سے متاثر غذا اور پانی سے لگتا ہے۔ یہ آلودہ پانی، حفظان صحت کے اصولوں کا خیال نہ رکھنے اور متاثرہ شخص کے فضلے سے پھیلتا ہے۔ عالمی ادارۂ صحت کے مطابق دنیا بھر میں سالانہ 13 لاکھ سے چالیس لاکھ افراد ہیضے سے متاثر ہوتے ہیں۔

رشین فلو: فلو سے متعلق پہلا بڑا وبائی مرض ہے۔ پہلے روسی سلطنت میں ظاہر ہوا وہاں سے چند مہینوں میں شمالی نصف کرے میں پھیل گیا۔ ایک اندازے کے مطابق 10 لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔

اسپینش فلو: کس ملک سے شروع ہوا، معلوم نہیں۔ بعض محققین اس کی جائے پیدائش امریکا بتاتے ہیں۔ یہ رائے بھی موجود ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے دوران فرانس میں برطانوی فوجیوں کے اسپتال اور کیمپوں میں اس وائرس کی افزائش ہوئی پھر عام لوگوں میں منتقل ہوا۔ ماہر سمیات (virologist) جان آکسفورڈ کی سربراہی میں کی گئی تحقیق میں دعویٰ کیا گیا کہ پرندوں میں موجود ایک وائرس کے خنزیر میں منتقل ہونے سے اسپینش فلو کی ابتدا ہوئی۔

اسپین نے پہلی جنگ عظیم میں حصہ نہیں لیا۔ وہاں کے ذرائع ابلاغ نے وبا سے ہلاکتوں کی خبریں دیں لیکن جنگ میں شامل ممالک اپنے ملک میں وبا سے ہونے والی اموات پر خاموش رہے۔ جس سے عام لوگوں میں تاثر پیدا ہوا کہ اسپین وائرس سے بری طرح متاثر ہوا ہے۔ اس طرح نام اسپینش فلو پڑ گیا۔

ایشین فلو: 1957ء میں مشرقی ایشیا سے شروع ہوا اور وہاں سے دنیا میں پھیلا۔ عالمی سطح پر کم سے کم 10 لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ یہ پرندوں سے منتقل ہوا۔

سارس: 2002ء میں SARS (سیویئر ایکیوٹ ریسپائریٹری سنڈروم) سے متاثر پہلا مریض چین میں سامنے آیا۔ اس وبا نے 25 سے زائد ممالک میں آٹھ ہزار افراد کو متاثر کیا۔ مرنے والوں کی تعداد 774 تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ وائرس چمگادڑ سے جانوروں اور جانوروں سے انسانوں میں منتقل ہوا۔

سوائن فلو (H1N1): محققین کا کہنا ہے کہ یہ وائرس خنزیر سے پرندوں اور پرندوں سے انسانوں میں منتقل ہوا۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا کی تقریباً 20 فی صد آبادی وائرس سے متاثر ہوئی اور تقریباً دو لاکھ 84 ہزار افراد ہلاک ہوگئے۔

ایبولا وائرس: پہلے متاثرہ فرد کا تعلق وسطی افریقا میں دریائے ایبولا سے تھا۔ 1976ء میں وبا شروع ہوئی۔ کئی بار ختم ہو کر پھیلی تاہم 2014ء سے 2016ء کے درمیان میں مغربی افریقا میں تقریباً 28 ہزار چھ سو افراد متاثر ہوئے۔ 11 ہزار تین سو افراد وائرس کی تاب نہ لا کر دم توڑ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وائرس چمگادڑ کی ایک قسم سے منتقل ہوا جس کی غذا پھولوں کا رس اور پھل ہیں۔ ان پھلوں کو انسانوں کے زیر استعمال جانور کھاتے ہیں جن سے وائرس انسانوں میں منتقل ہوتا ہے۔

Covid 19: نظامِ تنفس کو متاثر کرنے والا وائرس چین سے شروع ہوا اور دنیا میں پھیل گیا۔ عالمی ادارۂ صحت کے مطابق 20 مئی 2020ء تک 48 لاکھ ایک ہزار دو سو دو افراد متاثر ہو چکے ہیں جن میں سے تین لاکھ 18 ہزار نو سو پینتیس افراد لقمۂ اجل بنے۔ امریکا اور اٹلی ان ممالک میں ہیں جہاں اموات کی شرح زیادہ ہے۔ خدشہ ہے کہ یہ بیماری چمگادڑ یا پینگولن سے پھیلی ہے۔

مضمون میں بیان کردہ تاریخ بتاتی ہے کہ زیادہ تر وبائی امراض جانوروں سے پھیلے ہیں۔ ان جراثیموں سے جانور کم اور آدمی زیادہ متاثر ہوئے۔ ضروری نہیں کہ جو وائرس آدمی کے لئے خطرناک ہے وہ جانوروں کے لئے بھی مہلک ہو۔ سوال یہ ہے کہ کیا انسانوں کو جانوروں سے خطرات ہیں؟

ماہرین کہتے ہیں کہ وبائی امراض پیدا ہونے میں انسانی سرگرمیاں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ چوں کہ انسانی آبادی تیزی سے پھیل رہی ہے اور اپنی جغرافیائی حدود سے تجاوز کر رہی ہے اس لئے انسانوں اور جانوروں کے مابین فاصلہ کم ہو رہا ہے۔ اگرچہ جانور ہماری زندگی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں لیکن قربت کا منفی پہلو یہ ہے کہ مشترکہ ماحول سے بیماریوں کا تبادلہ شروع ہو جاتا ہے۔

کھیتی باڑی اور صنعتوں کو وسعت دینے کے لئے جنگلات کی کٹائی سے آب و ہوا تبدیل ہوئی ہے اور ماحولیاتی نظام کو تحفظ فراہم کرنے والی جنگلی حیات کو نقصان پہنچا ہے۔ ان کی جغرافیائی حدود میں انسانوں کی مداخلت سے دونوں آبادیاں قریب ہوگئی ہیں اور جانوروں میں پنپنے والے وائرس انسانوں میں منتقل ہونے کے خطرات بڑھ گئے ہیں۔

مثلاً موجودہ وبائی مرض Covid 19 کے بارے میں شبہ ہے کہ چمگادڑوں سے پھیلا ہے۔ عام طور پر چمگادڑوں کا منفی تصور پیش کر کے ان کا مثبت رخ نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ چمگادڑ ماحولیاتی نظام کے توازن میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ پھلوں اور پھولوں کے بیج کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لے جاتے ہیں، کیڑے کھا کر فصلوں کو نقصان سے بچاتے ہیں اور حیاتیاتی تنوع کو فروغ دیتے ہیں۔

چمگادڑ دودھ پلانے والا جانور (mammal) ہے۔ اس کی ایک ہزار سے زیادہ قسمیں ہیں۔ اس میں انسانوں کے لئے ساٹھ سے زیادہ مضر وائرس پائے جاتے ہیں۔ جب آدمی چمگادڑوں کی رہائش گاہوں کو نقصان پہنچاتا ہے تو ان کے پاس انسانوں کے قریب آباد ہونے کے سوا چارہ نہیں۔

ملائشیا میں چمگادڑوں کی آبادی والے جنگلات میں خنزیر کے فارم بنائے گئے۔ چمگادڑوں کے کھائے ہوئے پھل کھانے سے ایک وائرس (Nipah) جانوروں اور ان سے انسانوں میں منتقل ہوا۔ وائرس پر قابو پانے کے لئے تقریباً دس لاکھ خنزیر ہلاک کئے گئے۔

چمگادڑ مختلف وائرسوں کا میزبان ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ چمگادڑ وائرس کو پھیلانے کے بجائے اپنے اندر رکھنے پر مامور ہے۔ چمگادڑ ہماری آبادی میں نہیں آیا، ہم ان کی آبادی میں گئے ہیں۔ انسانوں کی آبادی میں رہنا جانوروں کی فطرت میں نہیں ہے۔ حدود سے تجاوز کرنے والے لوگ آفات کو دعوت دیتے ہیں۔

زیر سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

# عظیمیہ روحانی لائبریری برائے خواتین

فری ممبر شپ

فری مطالعہ

روحانی علوم کے متلاشی خواتین وحضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ وطالبات کے لئے عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی

نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

ڈاکٹر محمد عثمان

# متوازن ناک ـــ ماہر مصور

لوہا پانی میں ڈوب جاتا ہے لیکن اگر مخصوص ترکیب سے سوئی پانی پر رکھیں تو وہ تیرنے لگے گی۔

فطرت کے ہر منظر میں قاعدہ اور قاعدے میں ضابطہ نظر آتا ہے۔ ساحلوں پر مقررہ دنوں میں مدوجزر رہوتا ہے۔ سمندر میں بخارات اٹھتے ہیں، بخارات بادل بن جاتے ہیں۔ بادل اسفنج کی طرح اکٹھے ہوتے ہیں، ہوا کے دباؤ سے ٹپکتے ہیں اور موسلا دھار بارش بن جاتے ہیں۔ بارش سے زمین سیراب ہوتی ہے، روئیدگی پیدا ہوتی ہے، درختوں پر رونق آجاتی ہے جیسے کسی نے غسلِ صحت کیا ہے۔ پہاڑ برف کے مینار بن جاتے ہیں۔ سورج کی مہربان تپش سے برف پگھلتی ہے اور ندی نالے چل پڑتے ہیں۔

گرمی، سردی، بہار اور خزاں اپنے اپنے وقت پر آتے ہیں۔ ہر موسم کا نباتی اور حیوانی زندگی پر مخصوص اثر ہوتا ہے۔ پھولوں میں میٹھا رس (nectar) تیار ہوتا ہے جس سے شہد کی مکھیاں شہد بناتی ہیں۔ اس دوران مکھیوں کے جسم میں موم تیار ہوتا ہے، موم سے چھتّوں میں خوب صورت ہشت پہلو خانے تیار کر کے شہد ذخیرہ کرتی ہیں۔ ایسی بے شمار چیزیں جن کا موجد آدمی نہیں ہے، قاعدے اور ضابطے کے ساتھ ظاہر ہو رہی ہیں۔

ریل، موٹر یا کارخانوں میں انجن مخصوص قاعدے کے تحت چلتا ہے۔ معیاری ایندھن ملے، پرزوں میں تیل برابر پہنچے اور نگرانی کا معقول انتظام ہو تو انجن طویل مدت تک بخوبی کام انجام دیتا ہے۔ انجن ریل کے ڈبوں کی راہ نمائی کر کے انہیں چلاتا ہے۔ مختلف انجنوں کی رفتار اور طاقت ان کے وزن، توانائی اور دیگر امور کے لحاظ سے مخصوص ہوتی ہے۔

مصور تصویر بنانے کے قواعد جانتا ہے۔ وہ علم رکھتا ہے کہ عمدہ تصویر محض حسنِ اتفاق نہیں بلکہ اس کے حصول کے لئے خاص اصول و قواعد کے مطابق کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ماہر مصور کو معلوم ہے کہ چہرے کے خدوخال میں ناک کی حیثیت بنیادی ہے۔ ناک کو حذف کر دیا جائے تو باقی خدوخال متاثر ہوتے ہیں۔ چناں چہ مصور جب چہرے کا خاکہ بناتا ہے پہلے ناک کی ساخت کا جائزہ لیتا ہے۔ دونوں آنکھوں کے عین وسط میں ناک کا ابتدائی نقطہ bridge of nose کہلاتا ہے جس کی مدد سے آنکھوں میں فاصلے اور سائز کا تعین ہوتا ہے۔ اس نقطے کو مدنظر رکھتے ہوئے نتھنوں کے

پھیلاؤ کا تناسب مقرر کیا جاتا ہے اور مثلث بنتا ہے۔ مثلث کے نچلے دونوں راسوں (مثلث کے کونے) سے ہونٹوں کے پھیلاؤ کا اندازہ ہوتا ہے اور ٹھوڑی کی چوڑائی وضع کی جاتی ہے۔یعنی چہرے میں توازن کی بنیاد ناک ہے۔جو شخص ناک درست بنانے میں ماہر ہو جائے، اچھا مصور شمار ہوتا ہے۔

رنگ ساز مخصوص رنگ تیار کرنے کے لئے قاعدے کے مطابق اشیا کی معین مقداروں اور خاص ترکیبوں سے کام لیتا ہے تو خاطر خواہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔اگر وہ مقداریں تناسب کے بغیر مخلوط کر دے تو ظاہر ہے کہ مطلوبہ رنگ نہیں آتا۔

ہر شے مخصوص عناصر کی ترکیب ہے جس میں ردّوبدل نہیں ہے تاہم بعض اوقات لوگوں کو اشیا کی ظاہری شکل سے مغالطہ ہوتا ہے۔ضروری نہیں ہے کہ ہمارا علم یا معلومات ہر حالت میں صحیح ہوں ایسے میں اپنی معلومات جانچنے اور اشیا کی نوعیت وحقیقت کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔

قاعدہ ہے کہ دھات دوسری دھات میں تبدیل نہیں ہوتی۔اگر ہم چمک دار لوہے کے ٹکڑے کو کاپر سلفیٹ (توتیا) کے محلول میں ڈبو کر نکالیں تو بظاہر نظر آتا ہے کہ لوہا تبدیل ہو کر تانبا بن گیا ہے۔حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔توتیا کا محلول تانبے کو گندھک کے تیزاب (سلفیورک ایسڈ) میں حل کرنے سے بنتا ہے لہٰذا اس کے محلول میں تانبا پہلے سے مخفی شکل میں موجود ہے۔ چناں چہ جب توتیا کے محلول میں لوہا ڈبویا جاتا ہے تو تانبے کا کچھ حصہ اس پر جم جاتا ہے اور اس میں تانبے جیسی چمک نظر آتی ہے۔

ایلومینیم ـــ جس سے بہت سے ظروف تیار کئے جاتے ہیں، خاص قسم کی مٹی کے ڈھیلوں میں شامل ہوتا ہے لیکن نظر نہیں آتا۔ایلومینیم کو مٹی سے خالص حالت میں نکالنے کے لئے اکثر ممالک میں بڑے بڑے کارخانے لگائے گئے ہیں۔

اشیا کی ظاہری صورت سے ان کی مخفی نوعیت اور اصلی ماہیت معلوم نہیں ہوسکتی مگر مقداروں کا علم حاصل کیا جائے تو سربستہ راز منکشف ہوتے ہیں۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ نے ''لوح وقلم'' میں مختلف اشیا کے تخلیقی فارمولے لکھے ہیں۔چند یہ ہیں:

سونا = حس زرد رنگ + سخت + چکنا + چمک + ٹھوس پن

لوہا = حس سیاہ رنگ + سخت + بھاری وزنی + کھردرا + چمک + کسیلا + پگھلنا + موٹا

ہر شے خصوصیت اور حالات کے مطابق طرزِ عمل ظاہر کرتی ہے۔شے کا طرزِ عمل اپنی صفت کے برعکس نظر آئے تو سمجھنا چاہئے کہ کالے میں دال ہے۔اشیا جس طریق پر استعمال کی گئی ہیں، اس سے خلل واقع ہوا ہے یا کوئی چیز نظر انداز ہوگئی ہے۔غلطی کے تدارک سے

معلوم ہوجاتا ہے کہ شے اپنی صفت پر قائم ہے۔مثلاً عام کاغذ کے ٹکڑے کو (جو بوسیدہ پارچوں کے گودے یا چوبی برادے سے بنایا جاتا ہے) آگ میں ڈالیں تو وہ جلتا ہے۔فرض کیجئے کہ آپ کو ایسا کاغذ ملتا ہے جو آگ میں نہیں جلتا۔آپ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ کاغذ عام نہیں، خاص قسم کا ہے۔تلاش کرنے سے معلوم ہوا کہ غیر آتش گیر کاغذ میں راز یہ ہے کہ اس میں سفید ریشہ دار معدنی مرکب اسبسطوس (asbestos) کی آمیزش ہے جس کی وجہ سے کاغذ شعلے سے غیر متاثر ہے یا زیادہ سے زیادہ سرخ ہوکر تمتما جاتا ہے۔اس قسم کا کاغذ اکثر انجنوں اور مشینوں کے پائپ کے گرد لپیٹا جاتا ہے تاکہ حرارت اندر محفوظ رہے، پائپ باہر سے چھونے پر تمازت محسوس نہ ہو۔

کسی مقام پر پانی سے صابن کا جھاگ بآسانی اور کثرت میں بنتا ہے، کسی مقام پر نہیں بنتا— بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی پانی کے خواص مختلف مقامات پر مختلف ہیں مگر یہ ممکن نہیں۔اصل یہ ہے کہ بعض مقامات پر موجود اشیا پانی میں حل ہوجاتی ہیں جس کی وجہ سے جھاگ بمشکل یا کم بنتا ہے۔

بارش کے خالص پانی سے صابن کا جھاگ زیادہ بنتا ہے۔بارش کے پانی کو چینی کے برتن میں جوش دیں تو برتن میں تہ باقی نہیں رہتی۔لیکن بارش کا وہ پانی جس میں زمینی اجزا شامل ہوگئے ہیں، جوش دیں اور وہ بھاپ بن کر اڑ جائے تو برتن کی تہ میں بھوری پپڑی رہ جاتی ہے جو حل شدہ ارضی مادے کی ہوتی ہے۔پانی ہر مقام پر مماثل خواص رکھتا ہے۔پانی طبعی حالت میں نہ ہو اور آمیزش ہوچکی ہو تو خواص میں فرق ہوگا۔

لوہا پانی میں ڈوب جاتا ہے لیکن مخصوص ترکیب سے سوئی پانی پر رکھیں تو وہ تیرنے لگے گی۔ترکیب یہ ہے کہ پہلے پانی کی سطح پر کاغذ رکھیں۔اس پر آہستہ سے سوئی رکھی جائے۔ایک آدھ منٹ میں کاغذ پانی سے تر ہوکر نیچے بیٹھتا ہے مگر سوئی سطحِ آب پر تیرتی ہے۔سوئی پانی کی سطح پر کیوں تیرتی ہے—؟ وجہ یہ ہے کہ تمام مائع چیزوں کی سطح اس طریق پر عمل کرتی ہے کہ گویا اس پر جھلی تنی ہوئی ہے۔اندازہ گلاس کو پانی سے لبالب بھر کر کیا جاسکتا ہے۔جب پانی گلاس کے لبوں سے کچھ اوپر بھرے تو سرپوش کا گمان ہوتا ہے۔یعنی جھلی سطح پر چھا جاتی ہے لیکن یہ مضبوط نہیں ہوتی۔ہم اسے ایک کنارے سے توڑ سکتے ہیں۔تاہم جھلی سوئی یا ہلکے کپڑے کو سہار سکتی ہے مگر دوسری وزنی چیز کا بار برداشت نہیں کرسکتی۔بے احتیاطی کی وجہ سے سوئی سے جھلی ٹوٹ جائے تو سوئی بھی دوسری اشیا کی طرح ڈوب جاتی ہے۔سیال کی سطح پر جھلی جیسی تہ کا بننا اور اس پر ہلکی چیزوں کا تیرنا مقداروں کے تحت ہے۔

جب ہم کسی چیز کو دیکھ کر اس کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں تو وضاحت کے لئے ایسے قوانین و

قواعد سے مدد لیتے ہیں جن سے ہم پہلے سے واقف ہیں یا اپنے مشاہدے کی بنا پر قوانین بناتے ہیں۔

تحقیق کے دو اہم جزو ہیں۔

۱۔ مشاہدہ — ہر چیز کو گہرائی میں دیکھنا۔

۲۔ وضاحت — مشاہدات کی توضیح کرنا، ماہیت اور حقیقت جاننا اور ان کے معنی سمجھنا۔

فٹ بال کے قواعد سے ناواقف شخص کو میدان میں چند آدمی نظر آتے ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ بے معنی بھاگ دوڑ رہے ہیں۔ غور سے دیکھنے پر وہ کہتا ہے کہ اس کھیل کے قواعد ہیں اور کھیلنے والے بے معنی بھاگ دوڑ نہیں کر رہے۔ قواعد سے واقف ہونے پر ممکن ہے کہ فٹ بال دیکھنے میں دلچسپی پیدا ہو اور وہ بھی کھیل میں حصہ لے۔ مثال سمجھانے کے لئے ہے کہ جب تک قواعد معلوم نہ ہوں، ہمارا علم لاعلمی ہے۔

قوانینِ قدرت کا علم الہامی کتابوں میں ہے۔ جب ہم الہامی کتب کی مدد سے مناظر پر غور کرتے ہیں تو مشینوں اور انجنوں، بجلی اور روشنی، گرمی اور سردی، بادلوں اور ہواؤں، ستاروں اور سیاروں کے نظاروں سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ ان کے افعال کی پُراسرار سرگزشت ہمیں پُرلطف اور مسرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔ سب کے اپنے قاعدے اور قوانین ہیں۔ اگر کبھی ان میں بے قاعدگی یا خلاف معمول بات نظر آئے تو وجہ یہ ہے کہ ان کے متعلق ہماری معلومات نامکمل اور ناقص ہیں اور بعض قواعد ایسے ہیں جن سے ہم لاعلم ہیں۔

''اور سورج وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے۔ اور چاند اس کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا وہ کھجور کی سوکھی شاخ کی مانند رہ جاتا ہے۔ نہ سورج کے بس میں ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔''

(یٰسٓ: ۳۸۔۴۰)

کارخانۂ قدرت میں ہر شے قابلِ مطالعہ ہے۔ ان میں گوناگوں وسعت اور نوعیت کے لحاظ سے علوم کی بہت سی شاخیں قائم کی گئی ہیں۔ مثلاً ستاروں، سیاروں اور دوسرے اجرامِ فلکی کے علم کا نام فلکیات ہے۔ شماریات و اعداد کے علم کو ریاضی کہتے ہیں۔ ترکیب و تحلیل و تالیف اشیا کا علم کیمیا ہے۔ برق اور روشنی، حرارت اور آواز، جامدات اور سیالات اور دیگر اشیائے طبیعی کے افعال و خواص کا بیان طبیعیات سے متعلق ہے۔ سارا نظام جسے ہم نے مختلف شعبوں میں تقسیم کیا ہے، قاعدے کے تحت جاری ہے اور اس میں کسی مرحلے پر خلل اور تعطل نہیں ہے۔

''جس نے تہ در تہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کا خلل نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو! کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔''

(الملک: ۳۔۴)

# ENIGMA
## School of Fine Art

**Knowledge of Art is based on Circles and Triangles...**
**(Hazret Khwaja Shamsuddin Azeemi)**

Weekly Classes of:

1. DRAWING
2. PAINTING (Oil, Acrylics, Watercolor)
3. CALLIGRAPHY (Arabic,Urdu,English)

FOR

1. Students (Beginners and Advanced)
2. Art lovers and enthusiasts of all ages

**Get your registration asap...**
**Contact:**
**03400282786, 03470003738**
Concept-Artist:
Hamed Ibraheem Azeemi

HamedAzeemi

**ENIGMA School of Fine Art**
**Intro Classes in Phalia (MB Din).**
**From February 2020**

زیرِ سرپرستی
اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

# عظیمیہ روحانی لائبریری

جنڈ، اٹک

فری ممبرشپ

ذہنی سکون حاصل کرنے اور فکر کی آبیاری کے لئے۔

مطالعہ کی عادت اپنائیں....

روحانی علوم کے متلاشی خواتین وحضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ وطالبات کے لئے عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

اوقات: عصر تا مغرب

حاجی بازار، جنڈ، اٹک۔ موبائل نمبر: 03009145175

خواجہ شمس الدین عظیمی

# پیراسائیکالوجی سے مسائل کا حل

پیراسائیکالوجی کے تحت دیئے گئے علاج کے لئے اجازت ضروری ہے۔ کوئی صاحب یا صاحبہ اجازت کے بغیر علاج نہ کریں۔ (ادارہ)

## مثبت چارج

افشاں مجید (انگلینڈ): 2013ء میں فالج ہوا اس کے بعد سے بایاں حصہ مفلوج ہے۔ بائیں ہاتھ اور انگلیوں کو حرکت نہیں دے سکتی۔ چلنے میں دشواری ہے۔ ایک ہاتھ سے گھر کے کام نہیں ہوتے اور میں گھر تک محدود ہوگئی ہوں۔ گزشتہ 12 سالوں سے صرف دو یا تین گھنٹے سوتی ہوں وہ بھی نیند کی گولیاں کھا کر۔ مہربانی فرما کر میری مدد کریں۔ عمر 52 سال ہے۔

جواب: نیند اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ آپ سونے لیٹیں تو یہ تصور کریں کہ ناف پر شیشے کا ٹرانسپیرنٹ مرتبان (جار) رکھا ہوا ہے۔ آسمان سے نیلی روشنی اس جار میں ذخیرہ ہو رہی ہے۔ نیلی روشنی کے ذخیرہ ہونے کا تصور کرتے کرتے سو جائیں۔ علاج کی مدت تین ماہ ہے۔ انشاء اللہ نیند معمول پر آنے سے دماغ پُرسکون ہوگا، دماغ سے جسم کو ملنے والی برقی رو میں مثبت چارج کا غلبہ ہوگا اور جسم کے بے حرکت حصے میں حرکت پیدا ہو جائے گی، انشاء اللہ۔ دن میں باوضو رہیں اور کوئی بھی کام کرتے ہوئے بار بار تصور کریں کہ میں پُرسکون ہوں، صحت مند ہوں۔ کھٹی چیزوں اور فریج کے کھانوں سے پرہیز کریں۔ اگر بلڈ پریشر low نہ ہو تو نمک کم کر دیں۔

## خودشناسی

محمد صلاح الدین (اورنگی ٹاؤن): خود کو سمجھنا چاہتا ہوں۔ آج کل توجہ اسی میں مرکوز ہے۔ فکر نے جسم کو ایک حد تک رد کر دیا ہے۔ حواس کا خاکہ بنتا ہے، ذہن اعراف کی طرف صعود کرتا ہے۔ دنیا سے بیزاری پیدا ہوگئی ہے۔ دنیاوی ترقی کا خیال آتے ہی موت کا خیال ابھرتا ہے۔ اگرچہ موت وحیات کی حقیقت سے واقفیت ہو رہی ہے، ساتھ میں وسواس اور لاعلمی کی پیچیدگیوں سے گھبراہٹ، الجھن اور خوف طاری ہو جاتا ہے۔ راہ نمائی درکار ہے۔

جواب: سونے سے پہلے سیدھی کروٹ لیٹ جائیں اور سیدھا ہاتھ سیدھے کان کے نیچے رکھیں۔ سیاہ مرچ کا سفوف بہت باریک پیس کر ایک ڈبیا میں رکھ

لیں۔ روئی (فوم کے نہیں) کے دو چھوٹے پھوہے بنائیں۔ اس کے اندر تھوڑی سی کالی مرچ کا سفوف ڈالیں۔ روئی لپیٹ کر کانوں میں رکھ لیں اور سو جائیں۔ جو خواب نظر آئے اسے لکھ لیں۔ ناشتے میں ایک ٹیبل اسپون شہد لیں۔ 40 دن بعد رابطہ کریں۔

## جاذبِ نظر

ت۔ت (کوٹلی): ابھی تک رشتہ نہیں ہوا۔ وجہ میں نہیں جانتی۔ چہرہ کشش اور رونق سے عاری ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں چہرے پر دانے نکل آئے جو کسی حد تک اب بھی ہیں۔ نشانات بھی موجود ہیں۔ لوگوں کی سوالیہ نظریں تکلیف دیتی ہیں لیکن میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں۔ میری وجہ سے امی پریشان ہیں۔ ایسا علاج بتائیں کہ چہرہ پُرکشش اور بارونق ہو جائے اور کوئی مجھے ترس بھری نظروں سے نہ دیکھے۔ دعا کریں کہ میرے لئے ایسا رشتہ آئے جو اپنی خواہش سے مجھ سے شادی کرنا چاہے۔ کیا ممکن ہے کہ میرا چہرہ امی کی طرح ہو جائے—؟ گھر کا ماحول سخت ہے جو میری طبیعت پر ناگوار گزرتا ہے۔

جواب: کشش اور خوب صورتی کا تعلق خوش رہنے اور اللہ کا شکر ادا کرنے سے ہے۔ عادت بنالیں کہ ہر کام کے بعد چاہے وہ کھانا کھانا ہو یا پانی پینا، رات کو سونا ہو یا صبح جاگنا— اللہ کا شکر ادا کریں۔ خوش رہنے سے چہرے پر خوشی کی لہروں کا جال بنتا ہے جو دیکھنے والے کو نظر نہیں آتا لیکن وہ لہروں میں کشش سے متاثر ہوتا ہے۔

گھر میں پھول دار پودے رکھیں۔ پودوں کا خیال خود رکھیں۔ صبح فجر کی نماز پڑھ کر صحن یا چھت پر 15 منٹ چہل قدمی کے بعد پھولوں سے باتیں کریں۔ پھولوں سے کہیں کہ تم بہت خوب صورت ہو، اللہ نے تمہیں جاذبِ نظر بنایا ہے۔ باقاعدگی سے دو ماہ تک یہ عمل کرنا ہے۔ جس روز ناغہ ہو جائے، اگلا دن پہلا شمار ہوگا۔ شادی کے لئے کتاب ''روحانی علاج'' میں سے عمل یقین کے ساتھ کریں۔

## انگشتِ شہادت

ساجد علی (کراچی): شوگر کا مریض ہوں۔ ایک سال ہوا کہ پیشاب میں صابن کے جھاگ کی طرح جھاگ آنا شروع ہوئے۔ ٹیسٹ رپورٹ میں انفیکشن، خون اور پروٹین کا اخراج ظاہر ہوا۔ دواؤں کے استعمال سے دو تین ہفتے میں ٹھیک ہو گیا، کچھ عرصے بعد پھر انفیکشن ہوا۔ تین مہینے پہلے کی رپورٹ میں بھی پیشاب میں پروٹین کا اخراج ظاہر ہوا تھا۔ دواؤں سے عارضی طور پر مسئلہ حل ہوتا ہے۔ علاج پر کافی پیسہ خرچ ہو چکا ہے مگر بیماری کی تشخیص نہیں ہو سکی۔

جواب: علاج کے ساتھ پرہیز بھی ضروری ہے۔ رات کو سونے سے پہلے وضو کر کے کھلے آسمان کے نیچے بیٹھ جائیں یا کھڑے ہو جائیں۔ مٹھی بند کر کے شہادت کی انگلی کھول لیں۔ سیدھی انگلی آسمان کی طرف کر دیں اور یہ سوچیں کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ پانچ

سے سات منٹ دل ہی دل میں دہرائیں کہ

''اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اللہ مجھے دیکھ رہا ہے''

آپ کے لئے ضروری ہے کہ حکیم یا ڈاکٹر سے کھانے پینے کا چارٹ بنوالیں اور اس کے مطابق پرہیز کریں۔ علاج کرنا سنت ہے۔

### ٹیڑھا دانت

ط۔ا (اٹک): اوپر والا دانت ٹیڑھا ہے اسے اپنی جگہ پر لانے کے لئے کوئی علاج تجویز فرمادیں۔

جواب: Dentist کو دکھایئے۔

### پلنگ کی چادر

شہناز پروین (بریڈفورڈ): وظیفے کے علاوہ رات کو تین منٹ یا حی یا قیوم پڑھ کر تصور کرتی ہوں کہ بیٹے کی جسمانی اور ذہنی صحت ٹھیک ہوگئی ہے، اسے نوکری اور گاڑی مل گئی ہے، اس کی شادی ہوگئی ہے، بچے ہوگئے ہیں، گھر مل گیا ہے اور اس نے نشے کی عادت چھوڑ دی ہے۔ بیٹا کافی حد تک بہتر تھا لیکن جب غصہ آئے تو کہتا ہے کہ لوگ مجھے گالیاں دے رہے ہیں، میں ان کو ماروں گا۔ میں جو عمل کر رہی ہوں، اس کے ساتھ پیرا سائیکالوجی کا علاج کرنا چاہتی ہوں تاکہ بیٹا خوش گوار زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے۔ بیٹا کنوارا ہے اور عمر 42 سال ہے۔

جواب: آپ جو وظیفہ پڑھ رہی ہیں، روک دیں۔ اس کے بجائے قرآن کریم ترتیب سے پڑھیں اور ترجمے پر غور کریں۔ بیٹے کے نشے کی عادت کے لئے علاج یہ ہے— 12x9 انچ سادہ شیشے پر سبز رنگ پینٹ کرا کے گھر میں ایسی جگہ رکھیں جہاں بیٹے کی بار

## پیرا سائیکالوجی
(Parapsychology)

ماہنامہ قلندر شعور مئی–جون 2020ء

اماں کا نام: ..... سائل کا نام: .....

تاریخ اور وقت پیدائش: ..... تعلیم: ..... ازدواجی حیثیت: .....

جاگنے کا دورانیہ: ..... سانس کا دورانیہ کتنے سیکنڈ ہے: .....

کھانا پیٹ بھر کے کھاتے ہیں یا بھوک رکھ کر: ..... نمک زیادہ پسند ہے یا مٹھاس: .....

خیالات میں حقیقت پسندی ہے یا الوژن: ..... دستخط: .....

خط و کتابت کا پتہ: .....

..... رابطہ نمبر: .....

بار نظر پڑے۔ بیٹے کے پلنگ کی چادر اور تکیہ سفید ہو۔ نمک سے پرہیز کریں۔ کم سے کم نمک استعمال کیا جاسکتا ہے 43 روز بعد صورت حال سے مطلع کریں۔

**دلہن کا جوڑا**

بدرالنسا (نیوکراچی): میرے نو بچے ہیں۔ ان میں ماشاءاللہ چھ شادی شدہ ہیں۔ ساتویں نمبر پر بیٹی کے رشتے کی بات نہیں بن رہی۔ رشتہ ہوتا ہے، ٹوٹ جاتا ہے۔ شادی تک نوبت نہیں پہنچتی۔ کبھی ہماری طرف سے منع ہوتا ہے، کبھی لڑکے والے منع کر دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے بندش ہے، کوئی رکاوٹ کہتا ہے۔ مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا از راہِ کرم حل بتائیے۔

جواب: بیٹی سے کہیں کہ رات کو دو تین بجے کے درمیان 15 منٹ تک چھت یا صحن میں ٹہلیں، چھت پر ٹہلنا زیادہ بہتر ہے۔ اس کے بعد شمال رخ آلتی پالتی بیٹھ جائیں۔ دو منٹ شمال کی طرف خلا میں نظر جمائیں۔ دو منٹ جنوب کی طرف کرکے یہ عمل کریں۔ اب خانہ کعبہ کی طرف منہ کرکے دو رکعت نفل ادا کریں۔ ایک رکعت میں 10 مرتبہ اور دوسری رکعت میں ایک مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر نماز پوری کریں۔ اب مشرق کی طرف منہ کرکے آنکھیں بند کرکے بیٹھ جائیں۔ تصور کریں کہ میں آسمان میں ستارے گن رہی ہوں۔ پانچ سے دس منٹ تک ستارے شمار کریں۔ اس کے بعد بات کئے بغیر سو جائیں۔ خواب میں جو کچھ دیکھیں یا نہ دیکھیں روزانہ ڈائری میں لکھیں۔ یہ عمل 27 دن کرنا ہے۔ جو کیفیات ہوں، لکھ کر بھیج دیں۔

آپ کیا سمجھے ــــ؟

کسی قصبے سے دو مسافر ایک بزرگ سے ملاقات کے لئے پہنچے۔ قصبہ پُرسکون اور خوش حال تھا۔

پہلے مسافر نے آستانے پر حاضری دی اور عرض کیا، یہ جگہ کیسی ہے، یہاں منتقل ہونے کا سوچ رہا ہوں ــــ؟

بزرگ نے پوچھا، تمہارا قصبہ کیسا ہے؟ اس نے بتایا، خوف ناک! وہاں سب ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔ مجھے وہ علاقہ سخت ناپسند ہے۔

بزرگ نے فرمایا، یہ جگہ تمہارے قصبے جیسی ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ تمہیں یہاں منتقل ہونا چاہئے۔

وہ رخصت ہوا تو دوسرا مسافر اندر آیا۔ اس نے بھی بزرگ سے یہی سوال کیا۔ جواب میں انہوں نے اپنا سوال دہرایا کہ تمہارا قصبہ کیسا ہے؟ اس نے بتایا کہ وہاں سب ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

بزرگ نے فرمایا، تم یہاں سکونت اختیار کرسکتے ہو۔

قارئین! بتائیے کہ آپ کیا سمجھے ــــ؟

نفیسہ شاکر

# دس ہزار سال ــــ؟

سال 2006ء میں طوفانِ نوحؑ کو دس ہزار سال پورے ہو چکے ہیں۔ طوفانِ نوحؑ سے قبل جو مقامات خشکی پر تھے، آج وہ پانی میں ہیں۔ اب دس ہزار سال پورے ہونے کے بعد دنیا ایک بار پھر طوفان، باد و باراں، گرد باد، زلزلوں، جراثیم، وبائی اور اخلاقی امراض کی زد میں ہے۔

روحانی علوم کے ماہرین اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ ہر دس ہزار سال کے بعد خشکی کی جگہ پر سمندر آتا ہے اور سمندر کی جگہ پر ریت اڑتی ہے۔ ارضی بیلٹ آخری مرتبہ طوفانِ نوح کے وقت تبدیل ہوئی۔ طوفان کی پیشین گوئی پر نافرمان قوم نے حضرت نوحؑ کو کشتی بناتے دیکھا تو مذاق اڑایا۔ جب طوفان آ گیا تو بیٹے نے طوفانی موجیں دیکھنے کے باوجود باپ کی بات نہیں مانی۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''کشتی ان لوگوں کو لئے چلی جا رہی تھی اور ایک ایک موج پہاڑ کی طرح اٹھ رہی تھی۔ نوحؑ کا بیٹا دور فاصلہ پر تھا۔ نوحؑ نے پکار کر کہا، بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا، منکرین کے ساتھ نہ رہ۔ اس نے پلٹ کر جواب دیا، میں ابھی ایک پہاڑ پر چڑھا جاتا ہوں جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ نوحؑ نے کہا، آج اللہ کے حکم سے کوئی چیز بچانے والی نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ کسی پر رحم فرمائے۔ اتنے میں ایک موج دونوں کے درمیان حائل ہو گئی اور بیٹا بھی ڈوبنے والوں میں شامل ہو گیا۔'' (ھود:۴۲۔۴۳)

زمین سے پانی ابل رہا تھا اور آسمان رات دن برس رہا تھا ــــ یہ سلسلہ 40 روز جاری رہا۔ ہر شے زیر آب آ گئی یہاں تک کہ خشکی پر موجود بلند و بالا پہاڑ پانی میں ڈوب گئے۔ عظیم طوفان نے دنیا کی ترقی یافتہ تہذیب کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ صرف وہی لوگ بچے جو کشتی میں سوار ہوئے تھے۔ اور یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اللہ کی فرماں برداری کی اور پیغمبر نوحؑ کی تعلیمات پر عمل کیا۔

الہامی کتب میں مذکور ہے کہ ہر وہ قوم جس نے احکاماتِ الٰہی کی نافرمانی کی، اللہ تعالیٰ کے نظام میں دخل دینا شروع کیا وہ مداخلت میں اس نہج پر پہنچ گئی کہ پلٹنے کی راہ باقی نہ رہی۔

★ قومِ عاد ہیبت ناک آندھی سے ریزہ ریزہ ہو گئی۔

★ حضرت صالحؑ کی قوم کو دہشت ناک کڑک، چمک اور بجلی نے خاکستر کر دیا۔

★ ہم جنس پرستی میں مبتلا قومِ لوطؑ آگ اور گندھک کی بارش سے فنا ہوگئی۔

جن مقامات پر یہ عذاب آئے، وہاں عبرت کی نشانیاں موجود ہیں ـــ اور جن وجوہات کے سبب عذاب آیا، وہ سب موجودہ دور میں پائی جاتی ہیں۔

قتل و غارت گری، ناپ تول میں کمی، ملاوٹ، شک، وسوسے، جھوٹ، دھوکا، منافقت، حسد، نفرت، ہم جنس پرستی، استحصال، ناانصافی ـــ مختصر یہ کہ اللہ سے دوری، الہامی تعلیمات کی خلاف ورزی ہے۔

آج نوعِ آدم کو عالمی پیمانے پر ایسے وبائی مرض کا سامنا ہے جو ذات برادری، امارت غربت، رنگ و نسل، زبان اور مذہب میں فرق نہیں کرتا۔ موت گلیوں میں پھر رہی ہے اور موت کے خوف سے پوری دنیا میں آدمی گھروں میں محصور ہے۔

محترم عظیمی صاحب سے اس بارے میں سوال پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا،

''زمین کی عمر دس ہزار سال ہے جس کے بعد خشکی کی جگہ پانی اور پانی کی جگہ خشکی آجاتی ہے۔ سال 2006ء میں طوفانِ نوحؑ کو دس ہزار سال پورے ہو چکے ہیں۔ طوفانِ نوحؑ سے قبل جو مقامات خشکی پر تھے، آج وہ پانی میں ہیں۔ دس ہزار سال پورے ہونے کے بعد دنیا ایک بار پھر طوفان، بادو باراں، گرد باد، زلزلوں، جراثیم، وبائی اور اخلاقی امراض کی زد میں ہے۔ طوفان کے میکانزم کو سمجھنے کے لئے ہوا اور بادلوں کے نظام کو سمجھیں ـــ ہوا شمال سے جنوب کی طرف چلتی ہے۔ بارش اس وقت ہوتی ہے جب ہوا بادلوں سے مخالف سمت سے ٹکراتی ہے۔ بادل اسفنج ہیں۔ اسفنج کو پانی میں ڈالنے سے پانی اس میں جذب یا جمع ہوتا ہے۔ اسفنج کو نچوڑنے (کمپریس) سے جمع شدہ پانی ٹپکتا ہے۔ یہی صورت بادلوں کے بننے اور بارش برسنے کی ہے۔ ہوا بخارات کو اوپر اٹھاتی ہے تو تقریباً سو کلومیٹر کے بعد ہوا کا زور ٹوٹ جاتا ہے، بلندی پر ہوا کم ہونے کی وجہ سے بخارات جمع ہو کر بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ایک طرف ہوا ان بادلوں کو شمال سے جنوب میں لے کر آتی ہے دوسری طرف جنوب سے شمال کی طرف دھکیلتی ہے۔ نتیجے میں بادل (اسفنج) کمپریس ہوتے ہیں اور ان میں جمع شدہ پانی بارش بن جاتا ہے۔ اسفنج کی طرح بادل بھی خول ہے۔ جب یہ خول بخارات سے بھر جائے لیکن مخالف سمت سے ہوا اسے کمپریس نہ کرے تو بادل اڑ جاتا ہے۔ اور جب مخالف اور مترادف ہوا اسے نچوڑے (کمپریس) گی تو بارش ہوگی۔ فضا میں بخارات کثیر تعداد میں موجود ہوتے ہیں لیکن برستے نہیں ہیں۔ دنیا آئندہ دس ہزار سال میں داخل ہو چکی ہے۔ تاریخی مشاہدہ ہے کہ زمین کا درجہ حرارت بڑھنے (گلوبل وارمنگ) سے ہوا کا مخالف سمت یعنی جنوب سے شمال کی طرف چلنے میں اضافہ ہوگا اور ٹکراؤ سے بارشوں کا عمل تیز تر

ہوجائے گا۔ گلیشیئرز تیزی سے پگھلیں گے۔ گھٹن، حبس اور گرمی بڑھ جائے گی، آندھیاں اور بجلی کی کڑک ہوگی، چھوٹے بڑے طوفان آئیں گے اور بالآخر طوفانِ نوحؑ کی طرز پر عظیم طوفان اچانک دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے، آمین۔''

زمین کے موسم میں تبدیلی کی لہر عام و خاص سب نے محسوس کرلی ہے۔ روحانی ماہرین کی پیشین گوئیاں تیزی سے شواہد بن رہی ہیں۔

موسمی تغیر سے متعلق سائنسی جرنل Nature Climate Change کی 2 مارچ، 2020ء کو شائع ہونے والی تحقیقی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ عالمی حدت میں اضافے سے سمندروں کی سطح مسلسل بڑھ رہی ہے اور صدی کے آخر تک دنیا کے آدھے رتیلے ساحل پانی میں جاسکتے ہیں۔

واضح رہے کہ رتیلے ساحل دنیا کی مجموعی ساحلی پٹی کا ایک تہائی ہیں۔ تحقیقی رپورٹ مرتب کرنے کے لئے اٹلی میں یورپی یونین کے مشترکہ تحقیقی مرکز نے مصنوعی سیارچے سے حاصل کی گئی تصاویر سے گزشتہ 30 سالوں میں دنیا کی ساحلی پٹی میں تبدیلی کا جائزہ لیا اور دو امکانات مدنظر رکھے۔

★ پہلے منظرنامے کے مطابق اگر گرین ہاؤس گیسوں کا اخراج کم ہوتا ہے لیکن ختم نہیں ہوتا تو ایسے میں صدی کے آخر تک اوسط عالمی درجۂ حرارت میں 2°C سے 3°C اضافے کا سامنا ہوگا۔

★ دوسرے منظرنامے کے مطابق اگر حالات کی سنگینی کا ادراک نہ کیا گیا تو اوسط عالمی درجۂ حرارت میں 3°C سے زیادہ اضافہ ہوجائے گا۔

تحقیقی رپورٹ کے مطابق اوسط عالمی درجۂ حرارت دوسرے منظرنامے کی عکاسی کرے تو سال 2050ء تک 10.6 سے 12.2 فی صد اور صدی کے آخر تک 37.2 سے 50.9 فی صد دنیا کے رتیلے ساحل پانی میں جاسکتے ہیں۔

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ موسمی تغیر سے سب سے زیادہ آسٹریلیا متاثر ہوسکتا ہے جس کی 12 ہزار کلومیٹر (7500 میل) کی ساحلی پٹی کے ختم ہونے کا خطرہ ہے۔ واضح رہے کہ آسٹریلیا پہلے ہی غیر معمولی گرمی اور جنگلات میں آگ لگنے جیسے حالات سے دوچار ہے۔ حال ہی میں آسٹریلیا کے جنگلات میں آگ سے لاکھوں جانوروں اور نباتات کو شدید نقصان پہنچا۔

ماہرین نے یہ بھی بتایا ہے کہ آسٹریلیا کے علاوہ وہ ممالک جن کے ساحلی علاقوں کا بڑا حصہ متاثر ہوسکتا ہے، ان میں پاکستان، عراق، چین، بھارت، امریکا، کینیڈا، میکسیکو، برازیل، ارجنٹینا، چلی وغیرہ شامل ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر اقوام عالم نے گرین ہاؤس گیسوں کا اخراج کم کرنے کے لئے اقدامات کئے تو 40 فی صد نقصان روکا جاسکتا ہے۔

روحانی بزرگ فرماتے ہیں کہ آنے والے وقتوں میں دنیا کی تقسیم اس طرح ہوجائے گی کہ تین حصے پانی ہوگا اور جو ایک حصہ زمین ہوگی، اس میں جزائر بھی شامل ہیں۔

موسمیاتی تغیر آدمی کا پیدا کردہ بحران ہے جو موجودہ تہذیب کے سر پر آپہنچا ہے۔ آفاتِ ارضی و سماوی جیسے سمندری طوفان، سیلاب، زلزلے، بارش، برف پگھلنے، جنگلات میں آگ لگنے اور وبائی امراض (جراثیم) پھیلنے کا سلسلہ تیز ہوگیا ہے۔ عالمی حدت میں اضافے سے جانوروں اور پودوں کے رویوں میں بھی تبدیلی آئی ہے۔ بعض پھول وقت سے پہلے کھل رہے ہیں۔

ماحولیاتی نظام میں رتیلے ساحلوں کا کردار بہت اہم ہے۔ یہ طوفان اور طغیانی کے سامنے دفاع کی پہلی لکیر ہیں۔ طوفانی لہروں کی شدت کم کرتے ہیں۔ ان کے ختم ہونے سے ساحلوں پر دفاعی لکیر متاثر ہوتی ہے۔

ایک اندازے کے مطابق دنیا بھر میں تقریباً ایک ارب افراد ساحلی علاقوں میں رہتے ہیں۔ سیاحت و معیشت کا بڑا حصہ ساحلوں سے وابستہ ہے۔ ساحل متاثر ہونے کا مطلب پانی کا پھیلاؤ ہے۔

جب زمینی فضا کے درجۂ حرارت میں اضافہ ہوا تو ابتدا میں عالمی حدت یعنی گلوبل وارمنگ کی اصطلاح استعمال کی گئی۔ 2006ء کے بعد سے زمین کے مختلف حصوں میں موسم کی روش بدلنا شروع ہوئی اس لئے عالمی حدت کے بجائے اب موسمیاتی تبدیلی یعنی climate change کی اصطلاح عام ہوگئی ہے۔

ہر طرف آوازیں ہیں کہ زمین کو موسم کے شدید اثرات سے بچانے کے لئے گرین ہاؤس گیسوں کے استعمال میں کمی ہو۔ گرین ہاؤس گیسیں کیا ہیں؟

مادی محققین کے مطابق گرین ہاؤس کرہ ہوائی میں موجود چند گیسوں پر مشتمل ہیں۔ ان گیسوں میں کاربن ڈائی آکسائڈ، آبی بخارات، میتھین، نائٹرس آکسائڈ اور اوزون شامل ہیں جو انفرا ریڈ شعاعیں جذب کرکے دنیا کو گرم رکھتے ہیں۔ محققین کہتے ہیں کہ فضا 21 فی صد آکسیجن اور 78 فی صد نائٹروجن پر مشتمل ہے۔ یہ گیسیں انفرا ریڈ شعاعیں جذب نہیں کرتیں۔

آسان الفاظ میں اس طرح کہا جائے گا کہ زمین سورج کے ذریعے آنے والی توانائی جذب کرتی ہے۔ توانائی زمین کی سطح سے ٹکرانے کے بعد فضا میں بکھر جاتی ہے۔ خلا میں گیسیں توانائی کی مخصوص مقدار جذب کرلیتی ہیں جس سے زمین کی سطح اس حد تک گرم ہوتی ہے کہ زندگی گزارنا آسان ہو۔ اس قدرتی عمل کو گرین ہاؤس ایفیکٹ کا نام دیا گیا ہے۔

مادی محققین کہتے ہیں کہ زمینی سطح کا موجودہ اوسط درجۂ حرارت 15 ڈگری سینٹی گریڈ ہے۔ اگر گرین ہاؤس ایفیکٹ نہ ہو تو اوسط درجۂ حرارت تقریباً منفی

اٹھارہ ڈگری سینٹی گریڈ ہو جائے گا۔

اٹھارویں صدی میں صنعتی انقلاب شروع ہونے کے بعد سے توانائی کے انجذاب و اخراج کے عمل میں عدم توازن مسلسل بڑھ رہا ہے۔ فضا میں گرین ہاؤس گیسیں بالخصوص کاربن ڈائی آکسائڈ داخل ہو رہی ہے جو فضا میں حدت بڑھنے کا سبب ہے۔ اس کو عالمی حدت یا ماحولیاتی تبدیلی کا نام دیا گیا ہے۔

گرین ہاؤس گیسوں میں سب سے اہم پانی کے بخارات اور کاربن ڈائی آکسائڈ ہیں۔ فضا میں بخارات کی مدتِ حیات چند روز ہے جب کہ کاربن ڈائی آکسائڈ طویل عرصے تک فضا میں رہتی ہے۔

قدرتی ایندھن (fossil fuel) جلانے بالخصوص جنگلات کے کٹاؤ سے فضا میں کاربن ڈائی آکسائڈ کی مقدار بڑھ رہی ہے۔ ہر زون میں موجود حشرات سے لے کر فضا میں گیسوں تک ہر شے ایکوسسٹم (ماحولیاتی نظام) بناتی ہے۔ اگر ایک حشرہ کی نسل ختم ہو جائے تو پورا ماحولیاتی نظام متاثر ہو جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک درخت اپنی زندگی میں تقریباً ایک ٹن کاربن ڈائی آکسائڈ جذب کرتا ہے۔ جب جنگلات کی کٹائی کی وجہ سے کاربن ڈائی آکسائڈ جذب کرنے کے لئے درخت کم ہو جائیں گے اور آکسیجن خارج نہیں ہوگی تو فضا میں کاربن ڈائی آکسائڈ کا تناسب بڑھ جائے گا اور سانس لینے کے لئے آکسیجن نہیں ہوگی۔

بعض مادی ماہرین کہتے ہیں کہ صورت حال اس حد تک بگڑ چکی ہے کہ اگر گرین ہاؤس گیسوں کا اخراج مکمل طور پر روک دیا جائے تو جو گیسیں پہلے سے خلا میں جمع ہو چکی ہیں، ان کے اثرات طویل عرصے تک رہیں گے کیوں کہ ماحولیاتی نظام کے مختلف حصے (جیسے پانی اور برف کی تہیں وغیرہ) درجۂ حرارت میں تبدیلی پر ردعمل دیر سے ظاہر کرتے ہیں۔

موسمیات کے عالمی ادارے (ڈبلیو ایم او) کے اعداد و شمار کے مطابق 2014ء سے لے کر 2019ء غیر معمولی گرم رہا۔ اس مدت کے دوران سطح سمندر میں نمایاں اضافہ ہوا۔ وجہ کاربن ڈائی آکسائڈ کا اخراج ہے۔ 1993ء کے بعد سے سمندروں کی سطح میں اضافے کی اوسط شرح ہر سال 3.2 ملی میٹر ریکارڈ کی گئی ہے۔ تاہم 2014ء سے 2019ء تک ہر سال تقریباً پانچ ملی میٹر اضافہ ہوا ہے۔

سائنس موسمیاتی تغیر کی وجہ عالمی حدت میں اضافہ قرار دیتی ہے۔ روحانی ماہرین اس سے اختلاف نہیں کرتے لیکن تصویر کا ایک پہلو دیکھ کر نتیجہ اخذ کرنے کے بجائے وہ مکمل تصویر دیکھتے ہیں۔

ارضی بیلٹ یکمشت تبدیل نہیں ہوتی۔ جب زمین کی عمر دس ہزار سال ہے تو بیلٹ کی تبدیلی کا مرحلہ پہلے

دن سے شروع ہوجاتا ہے اور دس ہزار سال پورے ہونے پر دنیا نئے دور میں داخل ہوتی ہے۔

روحانی راہ نما ــــ قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

''نظام کائنات صبر پر قائم ہے۔قدرت آخر وقت تک خرابیوں کو دور کرنے اور بقا کے تحفظ کی مہلت دیتی ہے۔اچھائی اور برائی میں امتیاز کے لئے راہ نما بھیجتی ہے۔فرماں برداری کے نتیجے میں سکون اور نافرمانی میں تنبیہ کر کے ایسی نشانیاں ظاہر کرتی ہے جس میں قومیں تباہ ہوجاتی ہیں۔ہر دس ہزار سال میں زمین کی بیلٹ تبدیل ہوتی ہے۔بیلٹ تبدیل ہونے سے مراد یہ ہے کہ جو خطہ مخلوق کے آرام و آسائش کے لئے بنایا گیا تھا اب تنگ ہوگیا ہے، نافرمانی، ملاوٹ اور لالچ بڑھنے کی وجہ سے زمین کراہ رہی ہے۔لالچ میں آدمی چیزیں جمع کرتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا جو وجود دنیا میں ظاہر ہوتا ہے وہ اپنے ساتھ وسائل نہیں لاتا، وسائل کا انتظام و انصرام دنیا میں پہلے سے ہے۔لالچ کا سمبل خودنمائی ہے جو زر و جواہرات کا پجاری بننے سے پیدا ہوتی ہے۔سونا چاندی موجود رہتے ہیں لیکن آدمی دنیا سے چلا جاتا ہے۔''

ایک شخص دولت جمع کر لیتا ہے کہ برے وقت میں کام آئے گا۔لیکن تاریخ عالم میں ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ کوئی فرد مال و زر میں سے چند ذرّات بھی ساتھ لے گیا ہو۔

## میٹھے پانی کے ذخائر

قطب جنوبی میں واقع انٹارکٹیکا دنیا کا سب سے زیادہ سرد، خشک اور ہوادار براعظم ہے۔اس کی اوسط بلندی تمام براعظموں سے زیادہ ہے۔

انٹارکٹیکا یونانی لفظ انٹارکٹی کوس سے نکلا ہے جس کا مطلب آرکٹک کے مدمقابل ہے۔یہ 98 فی صد برف سے ڈھکا ہوا ہے۔یہاں مستقل آبادی نہیں ہے۔صرف تحقیق کے لئے محققین جاتے ہیں۔

قطب جنوبی میں سطح سمندر سے 2800 میٹر بلندی پر اوسط سالانہ درجۂ حرارت منفی 49 ڈگری سینٹی گریڈ ریکارڈ کیا گیا ہے۔

براعظم انٹارکٹیکا کی بلند ترین چوٹی Vinson Massif کی بلندی 4,892 میٹر بتائی جاتی ہے۔

انٹارکٹیکا میں بے شمار ندیاں اور جھیلیں ہیں۔

سب سے طویل دریا اونکس (Onyx) اور سب سے بڑی جھیل ووسٹک (Vostok) ہے جو دنیا کی بڑی ذیلی برفانی جھیلوں میں سے ہے۔

انٹارکٹیکا کی برف کی تہوں کی اوسط موٹائی تقریباً دو (2) کلومیٹر بتائی جاتی ہے۔

دنیا کے میٹھے پانی کے تقریباً 80 فی صد ذخائر یہاں ہیں۔محققین کے مطابق اگر یہ ذخائر پگھل جائیں تو سمندر کی عالمی سطح، موجودہ سطح سے 60 میٹر تک بلند ہوجائے گی۔

محمد علی ضیا

# ٹائم اسپیس اور اسپیس ٹائم ہے

اس مضمون کا رائج علوم سے موازنہ کریں۔ (مدیر)

کائنات اور اشیائے کائنات دو رخ پر قائم ہیں۔ جس رخ میں ٹھوس پن ہے، وہ عام آدمی کی نگاہ کے سامنے رہتا ہے۔ دوسرا رخ اصل ہے جسے عام نگاہ نہیں دیکھتی ــــ تحقیق (science) اس مخفی رخ کو الیکٹران کے نام سے متعارف کراتی ہے۔

الیکٹران کی ترتیب یوں بیان کی جاتی ہے کہ ہر شے ایٹموں سے مل کر بنی ہے۔ ایٹموں میں الیکٹران پائے جاتے ہیں۔ الیکٹران وہ توانائی ہے جو ہر شے کے پسِ پردہ کام کرتی ہے۔ الیکٹران منفی چارج کا حامل ہے۔ جب دو الیکٹران کشش کی وجہ سے قریب آتے ہیں تو دونوں کا چارج منفی ہونے کی وجہ سے ان کے درمیان برقی مقناطیسی گریز پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الیکٹران دوسرے کے ساتھ ضم نہیں ہوتا، ان میں کشش کے باوجود گریز برقرار رہتا ہے۔ اس کو electro magnetic repulsion کہا جاتا ہے۔

ذہن برقی مقناطیسی کشش یا گریز کو لمس کے معنی میں پہچانتا اور محسوس کرتا ہے۔

مثال: مقناطیس کے دو قطب ہیں۔ جب دو مقناطیسوں کے منفی قطب کو ملایا جاتا ہے تو وہ نہیں ملتے چاہے قریب ہونے کے لئے کتنی قوت صرف کیوں نہ ہو۔ درمیان میں وہ اسپیس جو ان کو ملنے سے روکتی ہے magnetic field (برقی میدان) کہلاتی ہے۔

یہی صورت حال دو الیکٹرانوں کے قریب آنے کے وقت پیدا ہوتی ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ ہم کسی شے کو نہیں چھوتے بلکہ اسپیس یا برقی میدان کے احساسات کو ذہن چھونے (لمس) سے تعبیر کرتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں الیکٹران ایک دوسرے سے نہیں ملتے بلکہ ان کی لہریں ایک دوسرے کو چھوتی ہیں۔ ایک مثال بھاپ سے جھلسنے کی ہے۔ بھاپ کی لہریں جسم کے الیکٹرانوں سے ٹکراتی ہیں۔ ہم بھاپ کی لہروں کو نہیں پکڑ سکتے لیکن جسم جھلس جاتا ہے۔

اگر دو الیکٹران ٹکرائیں تو ری ایکشن (تعامل) ہوتا ہے یعنی شکست و ریخت کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اس کا عام مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے جب غلطی سے دو نیگیٹو چارجز کو ملانے کی کوشش کی جاتی ہے تو فیوز دھماکے سے اڑ جاتا ہے۔

آپ نے جرابیں اور جوتے پہنے ہیں اور فرش پر چل رہے ہیں۔ توجہ دیں تو تلوا الگ اور جرابیں الگ محسوس ہوں گی۔ اسی طرح جوتے کا sole (تلا) اور فرش کے درمیان اسپیس الگ الگ محسوس ہوتی ہے۔

جس فرش کو آپ محسوس کر رہے ہیں وہ دراصل پیروں اور فرش کے الیکٹرانوں کے درمیان کشش گریز کی وجہ سے بننے والی اسپیس ہے۔ من وعن یہی صورت حال اس کرسی کی ہے جس پر آپ بیٹھتے ہیں اور اس بستر کی ہے جس پر آپ سوتے ہیں۔

ہم لمس اس لئے محسوس کرتے ہیں کہ الیکٹرانوں کی برقی مقناطیسی قوت ایک دوسرے کو دھکیلتی ہے تو احساس پیدا ہوتا ہے جو ذہن کے لئے اطلاع ہے کہ ہم کسی شے کو چھو رہے ہیں۔

اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہم مسلسل فضا میں معلق ہیں۔ خواہ پیروں اور فرش کے درمیان میں فاصلہ نینو میٹر میں کیوں نہ ہو، فاصلہ موجود ہے۔

انجیکشن لگنے کا تجربہ سب کو ہے۔ سوئی جسم میں داخل ہوتی ہے۔ باوجودیکہ سوئی جسم کے اندر ہے، ہم سوئی اور گوشت میں فاصلہ محسوس کرتے ہیں اور سوئی کو اپنے جسم کا حصہ تسلیم نہیں کرتے۔

قانون یہ ہے کہ شے کے ڈائی مینشن یا نقش و نگار اسپیس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ چاہے وہ درخت ہو، ہاتھی ہو یا چیونٹی۔ کائنات کا ہر ذرّہ اسپیس میں ظاہر ہوتا ہے اور ذرّہ بھی اسپیس ہے۔ اگر شے کے اندر اسپیس نہ ہو تو اس کا وجود ختم ہو جائے گا۔

جسم کی مثال سامنے ہے۔ خلیہ اسپیس ہے۔ خلیے کے اندر بھی اسپیس ہے جس میں مختلف حیاتیاتی اور کیمیائی مادے ہر وقت حرکت کرتے ہیں۔ اسی طرح جلد میں آدمی کی شماریات سے زیادہ مسامات ہیں جن سے پسینہ خارج ہوتا ہے۔ شریانوں میں اسپیس کی موجودگی کے باعث خون دور کرتا ہے۔ غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تمام جسمانی اعضا کے درمیان میں بھی اسپیس ہے۔ سر کے بال سے لے کر پیر کے ناخن تک ہر عضو الگ اور ان کے افعال الگ ہیں۔

دماغ جسے ہم کھوپڑی میں رکھا ہوا مادہ تصور کرتے ہیں، تین جھلیوں میں ملفوف ہوتا ہے اور ہر جھلی درمیان میں اسپیس کے ذریعے دوسری جھلی سے الگ ہے۔ ان کے مابین رطوبت پائی جاتی ہے۔ تینوں جھلیوں کے اندر دماغ اور حرام مغز ایک ہے اور مخصوص رطوبت میں تیرتا ہے۔ اس رطوبت کو Cerebrospinal Fluid کہا جاتا ہے۔ یہ رطوبت دماغ اور حرام مغز کو کھوپڑی کی ہڈیوں کی خراش اور دھچکوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ اسی طرح معدہ، دل، آنتیں اور دیگر اعضا مخصوص جھلیوں کے ذریعے دوسرے اعضا سے فاصلے پر رہتے ہیں۔

جسم کھربوں خلیات سے بنا ہے۔ یہ خلیات ایک دوسرے کے انتہائی قریب ہیں لیکن درمیان میں فاصلہ

ہے۔ کھربوں خلیات کا تذکرہ ہر خلیے کے اپنے تشخص اور مخصوص خواص کی وجہ سے زیر بحث آتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ کائنات کے چھوٹے سے چھوٹے ذرّے یعنی ایٹم میں بھی اسپیس ہے۔ ایٹم کے اندر مرکزہ، الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران مسلسل حرکت میں ہیں۔ ایٹموں اور مالیکیولوں میں chemical bonding ہوتی ہے لیکن ہر ایٹم اور مالیکیول میں اسپیس برقرار رہتی ہے۔

کاربن ڈائی آکسائڈ گیس آکسیجن کے دو اور کاربن کے ایک ایٹم سے مل کر بنتی ہے۔ کہنے کو یہ ''ایک'' گیس ہے لیکن اس کی تخلیق میں ''دو'' عناصر شامل ہیں۔ تعداد کے تعین کا مطلب اسپیس کی موجودگی ہے جس کی وجہ سے ہر ایٹم کی انفرادیت قائم ہے۔

قرآن کریم میں دخان کا ذکر ہے۔ اللہ نے دخان سے کہا کہ وہ داخل ہو جائے خوشی سے یا جبر سے۔ اس نے کہا کہ میں تابع دار ہوں۔

دخان ایک شے کے درمیان حدِّ فاصل پیدا کر کے انہیں دو میں تقسیم کرتا ہے۔ اسپیس دخان کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دخان کو حکم دیا کہ وہ خوشی یا جبر سے داخل ہو جائے۔ یعنی اسے اختیار دیا گیا۔

دخان نے تابع داری کا اظہار کیا۔

داخل ہونے سے کششِ ثقل وجود میں آئی۔

زمین کی ہر شے میں کششِ ثقل ہے۔

تجربہ کریں اور بال لے کر کاغذ پر رکھیں تو بال کاغذ پر چپک جائے گا۔ اسی طرح کنگھی کے دندانوں میں بال رہنے کی وجہ کششِ ثقل یا میگنیٹک فیلڈ ہے جس سے بال دندانوں میں معلق رہتے ہیں تاوقتیکہ انہیں نکالا نہ جائے۔

دخان ایسا مقناطیس ہے جو ایک طرف شے میں فاصلہ برقرار رکھتا ہے، دوسری طرف انہیں اپنی طرف کھینچتا ہے۔ یعنی مقناطیس میں ایسی لہریں ہیں جو شے کو اپنے اندر جذب کرتی ہیں مگر جذب کرنے کے ساتھ اسپیس قائم رکھتی ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھیں، تھوڑی دیر بعد ہاتھ کے بجائے لہریں محسوس ہوں گی، یہ لہریں میگنیٹک فیلڈ ہیں۔

جسم کی ابتدا کروموسوم سے ہوتی ہے۔ یہ دو باریک دھاگے ہیں جو تقسیم در تقسیم ہو کر جسم بناتے ہیں — ان کی اکائی دو لہریں ہیں۔ اسی طرح کائنات کی بنیاد گراف نما اکہری دہری لہریں ہیں جن کی مخصوص حرکات سے اشیا تخلیق ہوتی ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

''پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے مقداروں کے ساتھ تخلیق کیا اور ان مقداروں کی ہدایت بخشی۔'' (الاعلیٰ: ۱-۳)

ہر شے معین مقدار ہے۔ مقداروں سے اشیا میں انفرادیت ہے۔ مقدار اسپیس ہے۔ اسپیس ختم کر دی

جائے تو شے ختم ہوجاتی ہے۔ ہم موبائل فون پر کانفرنس کال کرتے ہیں۔ ایک لائن پر پانچ دوست آپس میں بات کررہے ہیں۔ہم دوستوں کی آواز پہچانتے ہیں کیوں کہ معین مقداروں کی وجہ سے آواز کی فریکوئنسی الگ الگ ہے ۔آوازوں کے درمیان میں بھی اسپیس ہے اور اسپیس کی بنا پر ہم آوازوں کو پہچانتے ہیں۔ یہی قانون سماعت و بصارت کا ہے۔ اسپیس کی وجہ سے چیزوں میں نرمی اور سختی محسوس ہوتی ہے، ہم متفرق کیفیات سے گزرتے ہیں اور مختلف ذائقوں مثلاً میٹھا، کڑوا، نمکین، پھیکا وغیرہ سے واقف ہوتے ہیں۔

اسپیس کے ذریعے شناخت برقرار رکھنے کا قانون قرآن کریم میں بیان ہے۔

''دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا ہے کہ باہم مل جائیں پھر بھی ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔'' (الرحمٰن:۱۹۔۲۰)

پردے کے لئے عربی لفظ برزخ استعمال ہوا ہے جس کا مفہوم اسپیس ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسپیس کیا ہے اور اس کی تخلیق کس طرح ہوئی ؟

خالقِ کائنات کا ارشاد ہے،

''ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں تاکہ تم اس سے سبق لو۔'' (الذّٰریٰت:۴۹)

دو رخ سے اسپیس زیر بحث آتی ہے۔ دو سے مراد درمیان میں حدِّ فاصل ہونا ہے اسی لئے رخ دو ہیں۔

نظر کا قانون:

''ہم جب کسی چیز کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زید نے بکر کو دیکھا تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ زید و بکر کے درمیان میں جو فاصلہ ہے اس فاصلے نے دونوں کے درمیان میں ایک تعلق قائم کیا اس لئے کہ فاصلے کے بغیر دیکھنے کا عمل پورا نہیں ہوتا۔ یہ فاصلہ ہر چیز کے درمیان میں مشترک ہے۔ فاصلہ ہمیں ایک دوسرے سے متعارف کراتا ہے۔ دو افراد ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں، دونوں کے درمیان میں فاصلہ ہے لیکن یہ فاصلہ حذف ہوجائے تو یہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے۔ فاصلہ تعارف کا سبب ہے۔''

تالاب میں لہریں ابھرتی ہیں اور ہر لہر سوال ہے۔

۱۔ کیا گوشت پوست سے مرکب وجود اور ہم ایک ہیں یا ان کے درمیان میں فاصلہ ہے؟

۲۔ جو خیالات ذہن کی اسکرین پر ظاہر ہوتے ہیں کیا ان کے اور ہمارے درمیان میں بھی اسپیس ہے؟

علمائے باطن فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے ارادے میں موجود کائناتی پروگرام کی رونمائی کرنا چاہی تو فرمایا، کُن یعنی ہو جا! کُن کہتے ہی ''فیکون'' ہوگیا۔ ایک رخ کُن اور دوسرا فیکون ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو اپنا دیدار کرایا اور فرمایا، ''الست بربکم''۔ مخلوقات نے مشاہدہ کیا اور ''بلیٰ'' کہہ

کر ربوبیت کا اقرار کیا۔ یہاں بھی دو رخ قائم ہوئے۔ ایک الست بربکم اور دوسرا رخ بلیٰ۔

کتاب ''شرح لوح وقلم'' میں لکھا ہے،

''عالمِ ارواح میں کائنات کی موجودگی اس طرح ہے کہ وہاں احساس کی درجہ بندی نہیں ہے۔ عالمِ ارواح میں موجود کائنات کے تمام اجزا عالمِ تخیل میں ہیں۔ انہیں کچھ پتہ نہیں ہے کہ وہ کیوں ہیں، کہاں ہیں، کس لئے ہیں اور ان کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس سکوت کو توڑنے کے لئے افراد کائنات کو عالمِ تحیر سے عالمِ تعارف میں داخل کرنے کے لئے اپنی آواز سے سماعت عطا کی۔ جیسے ہی اللہ تعالیٰ کی سماعت منتقل ہوئی تو ابعاد کا پہلا درجہ تخلیق پا گیا۔ یعنی فرد کے اندر سماعت کا پہلا نقش مرتب ہوا۔ سماعت کے بعد ساتھ ہی ساتھ اسے یہ حس حاصل ہوئی کہ کوئی آواز دے رہا ہے۔ جیسے ہی آواز کی طرف ذہن منتقل ہوا دوسرا ابعاد یا دوسرا ڈائی مینشن تخلیق میں آ گیا۔ یہ دوسرا ڈائی مینشن یا ابعاد نگاہ ہے۔ بصارت کے ساتھ تعارف کی حس تخلیق ہوئی۔ جاننے اور سمجھنے کا ڈائی مینشن جیسے ہی وجود میں آیا تو قوتِ گویائی کا مظاہرہ ہوا۔ قوتِ گویائی کے حاصل ہوتے ہی کسی چیز کو رد یا قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔

جب دو رخ ایک دوسرے سے متصل ہوتے ہیں اور ان دونوں کو کئی دوسرے رخ مل کر ایک مجموعی حیثیت دے دیتے ہیں تو اس اجتماع کو ''وجودِ شے'' کہتے ہیں۔ وجودِ شے میں متصل ہونے کے ساتھ ساتھ رخوں کا الگ الگ تعین ہے۔ یہ تعین ہی زمان اور مکان ہے۔ یعنی وجودِ اشیا کا درمیانی فصل زمان و مکان ہے۔''

خلاصہ: کائنات اسپیس ہے جس میں لاشمار ذیلی اسپیس ہیں۔ یہ سلسلہ ازل سے شروع ہے اور ابد تک جاری ہے۔ اسپیس ہی ربط اور اسپیس ہی فاصلہ ہے۔ ناک، کان اور آنکھ کے درمیان میں فاصلہ ہے مگر یہی فاصلہ ان کے درمیان میں ربط ہے۔ اسپیس کی وجہ سے تخلیقات الگ ہیں۔ ہمیں اشیا کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے اسپیس کا علم حاصل کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کو یہ صلاحیت عطا فرمائی ہے کہ وہ اسپیس پر تفکر کر کے اعلیٰ سے اعلیٰ اسپیس میں داخل ہونے کی صلاحیت بیدار کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نوعِ انسانی جس طرح مختلف اسپیس سے گزر کر عالمِ ناسوت کی اسپیس پر ظاہر ہو رہی ہے، اسی طرح درجہ بدرجہ صعود کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس صلاحیت کا نام ''سلطان'' ہے۔

''اے جن و انس! تم زمین و آسمان کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل کر دکھاؤ۔ تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے۔'' (الرحمٰن: ۳۳)

''سلطان'' کا علم جاننے کے لئے ہمیں کائنات میں نشانیوں پر تفکر کرنا اور کائنات کی خالق و کفیل ہستی سے رجوع کرنا ہے۔

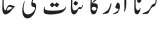

عظیمی

چاند کی کرنوں سے ___
گھنے اور لمبے بالوں کی نشو ونما

45 سال سے خواتین کا پسندیدہ

# روغن گلوسبز

کراچی :021-36039157
حیدرآباد :0222781798
میر پور خاص :03133508543
ڈگری :03453700144
ملتان :03006338192

فیصل آباد :041-8540132
لاہور :03224112737
راولپنڈی :051-5169242
اٹک :03135168800
ہری پور :03135914147

پشاور :03219110156
مانسہرہ :03005621447
مظفر آباد :05822446661
میر پور :03455701558

# استاد اور تربیت

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان کے بعد گناہ برا کام ہے۔ اور جو باز نہ آیا تو یہی لوگ ظالم ہیں۔'' (الحجرٰت: ۱۱)

---

چند ماہ پہلے گلی میں نئے پڑوسی آئے۔ یہ خاندان پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ ماں باپ، دو بچے اور دادا۔ بیٹا ساتویں اور بیٹی آٹھویں جماعت میں زیرِ تعلیم تھی۔ بیٹے کا رنگ گندمی اور بیٹی کا گہرا سانولا تھا۔ کچھ دنوں بعد انہوں نے محلے کی خواتین کو قرآن خوانی اور میلاد کے لئے مدعو کیا۔

پڑوسی ہونے کے ناتے مراسم اچھے ہوئے اور ایک دوسرے کے گھر آنا جانا شروع ہوگیا۔ ایک روز ان کے گھر سے بیٹی کے چیخنے کی آوازیں آنے لگیں۔ مجھ سے رہا نہیں گیا، فوراً ان کے گھر دوڑی۔ گھر کا مرکزی دروازہ کھلا اور انکل نے تیزی سے گاڑی باہر نکالی۔ اسی اثنا میں آنٹی بیٹی کو باہر لائیں، اس کا چہرہ سرخ تھا اور آبلے پڑ گئے تھے۔ ماں حواس باختہ اور بیٹی کی تکلیف بیان سے باہر تھی۔ آنٹی نے مجھے دعا کا کہہ کر بیٹی کو گاڑی میں بٹھایا اور اسپتال روانہ ہوگئے۔

بعد ازاں پتہ چلا کہ ہم جماعت لڑکیاں اس کے رنگ کا مذاق اڑاتی تھیں جس سے وہ مغموم رہتی تھی۔ ایک لڑکی نے ازراہِ ہمدردی بلیچ لاکر دی اور استعمال کا طریق کار سمجھایا۔ اس نے رنگ گورا کرنے کے لئے ضرورت سے زائد کیمیکل کی مقدار چہرے پر لگائی۔ وہ چہرہ جس پر بے حد معصومیت تھی، بڑے بڑے آبلے پڑے اور نشان چھوڑ گئے۔ پہلے گہرے رنگ کا دکھ تھا، اب جلی ہوئی جلد روگ بن گئی۔

سب سے ملنا جلنا حتیٰ کہ اسکول جانا چھوڑ دیا۔

پھر خبر آئی — خبر نے محلے کو سوگوار کر دیا۔ افسوس کہ چند لڑکیوں کے مذاق اڑانے کی وجہ سے وہ اس حال کو پہنچی اور ہنستا بستا گھر اجڑ گیا۔

مذاق اڑانا، طنز کرنا، ہراساں کرنا اور نقوش پر جملے کسنا — لوگوں کی خوشیاں چھین لیتا ہے۔ باوجود یکہ

مذہب میں مذاق اڑانے کی سختی سے ممانعت ہے، یہ رویہ عام ہوگیا ہے۔قرآن کریم میں بیان ہے،

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ایمان کے بعد گناہ برا کام ہے۔اور جو باز نہ آیا تو یہی لوگ ظالم ہیں۔'' (الحجرٰت: ۱۱)

انسان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی مخلوق کو تکلیف نہ پہنچے۔ مذاق اڑانا — ہراساں کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔اس کی کئی اقسام ہیں۔مثلاً خود کو برتر ثابت کرنے کے لئے کسی کے رنگ، قد، لہجے اور جسامت وغیرہ پر جملے کسنا۔مخصوص، برادری یا طبقے سے تعلق کی بنا پر دھونس، دھمکی اور تشدد سے دوسروں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا کرنا۔انٹرنیٹ اور موبائل فون کے ذریعے فرد کو ذہنی اذیت سے دو چار کرنا۔سوشل میڈیا پر دھمکی آمیز، غیر اخلاقی پیغامات یا تصاویر بھیجنا وغیرہ۔ان میں سب سے عام مذاق اڑانا ہے۔

چند سال پہلے مائیکروسافٹ کی جانب سے آن لائن ہراساں کرنے کے ضمن میں 25 ممالک کا سروے کیا گیا۔سروے میں پاکستانی قوم 22ویں درجے پر تھی۔ چوں کہ سروے چند سال پرانا ہے اور پاکستان میں انٹرنیٹ صارفین کی تعداد بڑھ گئی ہے اس لئے ہراساں کرنے اور مذاق اڑانے کی شرح میں بھی اضافہ ہوا ہے۔آن لائن سماجی رابطوں کے پلیٹ فارم پر کسی فرد کی تصویر، ویڈیو یا جملوں پر لطائف بنائے جاتے ہیں جو تیزی سے پھیلتے ہیں — یعنی مذاق کو عوام میں عام کر دینا۔آن لائن ہراساں کرنے کے واقعات میں سنگینی کے سبب دیگر ممالک کی طرح پاکستان میں بھی ادارے ہیں جو شکایت پر باقاعدہ تحقیق کرتے ہیں اور ذمہ دار افراد کو سزا دی جاتی ہے۔

ماہرینِ نفسیات کہتے ہیں کہ مذاق اڑانا خوف ناک عمل ہے۔تضحیک کا نشانہ بننے والے ردعمل میں خود کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور بعض واقعات میں منشیات کی طرف راغب ہوجاتے ہیں اور گھر کا قیمتی سامان بیچنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔اگر وہ زیرِ تعلیم ہوں تو تعلیمی ادارے میں جانے سے گھبراتے ہیں اور ہر وقت ذہنی دباؤ میں مبتلا رہتے ہیں۔بعض واقعات میں انتہائی قدم اٹھانے سے گریز نہیں کرتے۔

یاد رکھئے! اگر علم ہوجائے کہ آپ کے عزیز یا دوست کا مذاق اڑایا جاتا ہے یا اسے ہراساں کیا جاتا ہے تو اس کی مدد کریں تاکہ وہ احساس کم تری میں مبتلا نہ ہو۔

انٹرنیٹ کے علاوہ مذاق اڑانے کے واقعات گھر، اسکول اور دفاتر میں بھی پیش آتے ہیں جس سے کم عمر بچوں پر انتہائی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور پوری زندگی قائم رہتے ہیں۔

ہم جانتے ہوئے بھی نہیں سوچتے کہ چند لمحوں کا طنز یا مذاق فرد کو شدید نفسیاتی مسائل سے دوچار کر دیتا ہے۔ عموماً گھروں میں والدین، بہن، بھائی، دیگر افراد یا سسرال والے بار بار کسی خامی کی بنا پر تنقید کرتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح اسے موضوع بنائے رکھتے ہیں۔ یوں مذکورہ فرد کا اعتماد متاثر ہو جاتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اگر ماں باپ ڈاکٹر ہیں اور بچے کا میلان اس جانب نہیں تو بعض اوقات وہ بچے کو نکما ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ یہ بھی ہراساں کرنا ہے۔ نیز بیٹے کی خواہش میں بیٹی پیدا ہونا، بیٹی کی شادی نہ ہونا یا بیٹے کو ملازمت نہ ملنے پر باتیں سنانا بھی ہراساں کرنا ہے۔ یہ رویہ اختیار کر کے ماں باپ اپنے ہاتھوں بچے کی عزت نفس اور اعتماد کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔

اکثر ماں باپ معاشرے میں ''اچھے والدین'' کہلائے جانے کی خواہش میں سخت رویہ اپناتے ہیں۔ طنز آمیز جملے بول کر بچوں کی خامی نمایاں کرتے ہیں اور تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔

ہمارے ایک پڑوسی گھر میں داخل ہوتے ہی چہرے پر وحشت طاری کر لیتے تھے۔ بیوی بچے انہیں دیکھ کر سہم جاتے۔ باپ کی موجودگی میں گھر میں صرف پنکھا چلنے کی آواز آتی تھی۔ بیٹے کالج میں پہنچ گئے لیکن کسی کے سامنے بات نہیں کر سکتے تھے۔ باپ کے بے جا غصے اور رعب کی وجہ سے بیٹوں کی شخصیت دب گئی۔

معروف محقق آئن اسٹائن بھی مذاق کا نشانہ بنا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے دو سال کی عمر کے بعد بولنا شروع کیا۔ وہ لفظ یا جملے بولنے سے پہلے آہستہ آواز میں خود سے کہتا پھر باآواز بلند دہراتا تھا۔ اس عادت پر مذاق کا ہدف بن گیا۔ گھریلو ملازم نے اس کا نام the dopey one* رکھا۔

اسکول جانا شروع کیا تو عادت سے اساتذہ پریشان ہوئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ اسکول میں کسی کے دباؤ میں نہیں آیا۔ اساتذہ کہتے تھے کہ اس میں دوسرے بچوں کی طرح سیکھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

آئن اسٹائن کہتا ہے کہ والدین نے دیکھا کہ میں کوئی جملہ بولنے سے پہلے ہونٹ ہلاتا ہوں اور مطمئن ہونے کے بعد لوگوں سے کہتا ہوں تو وہ بہت پریشان ہوئے اور ڈاکٹر کو دکھایا۔

آئن اسٹائن نے نو سال کی عمر میں روانی سے اور اعتماد کے ساتھ بولنا شروع کیا۔ بعد میں یہی آئن اسٹائن دنیا کا معروف محقق بن گیا۔

منفی رویوں کی ابتدا گھر سے ہوتی ہے۔ جس گھر میں دوسروں کا مذاق اڑایا جاتا ہے، نقوش پر جملے کسے جاتے ہیں، اس گھر کے بچے یہی رویہ اسکول میں ساتھیوں کے ساتھ اپناتے ہیں۔

میری کلاس میں ایک لڑکے کے لہجے پر علاقائی زبان

---

* the dopey one (احمق، بے وقوف)

کا گہرا اثر تھا۔تعلق پسماندہ طبقے سے تھا۔ جب وہ ریڈنگ کرتا تھا، پوری کلاس ہنستی تھی یہاں تک کہ ٹیچر کے لئے ہنسی روکنا مشکل ہوجاتا۔ بالآخر لڑکے نے ریڈنگ کرنا چھوڑ دی اور کسی سرگرمی میں حصہ نہیں لیا۔

جسمانی ساخت (موٹاپا دبلا ہونا)، رنگ، ذات اور زبان کا مذاق طالب علموں میں عام ہے جس سے بچہ اسکول جاتے ہوئے گھبراتا ہے۔ والدین کا فرض ہے کہ وہ تربیت کرتے ہوئے یہ پہلو قطعاً نظر انداز نہ کریں — اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ کلاس میں منفی ماحول بننے سے روکیں اور بچوں کو پیار سے سمجھائیں۔ جس بچے کا مذاق اڑایا جاتا ہے اس کی خوبیاں نمایاں کریں تاکہ اعتماد بحال ہو اور دیگر بچوں کو اس کی اہمیت کا احساس ہو۔اسکول انتظامیہ کو بھی چاہئے کہ وہ اساتذہ اور والدین کے لئے اصلاحی پروگرام ترتیب دیں جس میں ماہرینِ نفسیات بچوں کے نفسیاتی مسائل سے متعلق آگاہی فراہم کریں۔

دفاتر میں ہراساں کرنا اور سازشیں حوصلے پست کردیتی ہیں۔ چوں کہ ملازمت ایسی عمر میں کی جاتی ہے جب شعور بالغ ہوتا اور سمجھ بوجھ رکھتا ہے لہٰذا منفی رویوں کا شکار ہونے کے بجائے اعصاب پر قابو رکھیں۔ غیر ضروری گفتگو سے اجتناب برتیں۔ توجہ کام پر مرکوز رہنے سے دھیان ادھر ادھر کی باتوں پر نہیں ہوتا۔

ہم تضحیک، طنز اور ہراساں کرنے جیسے رویوں کو روک نہیں سکتے اس لئے کہ ہر فرد گھر سے تربیت لے کر آتا ہے۔ بس یہ بات گرہ سے باندھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر فرد کو صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ایک صلاحیت نمایاں نہ ہو تو دوسری صلاحیت ضرور نمایاں ہوتی ہے۔ کبھی کسی کا خود سے اور خود کا دوسروں سے موازنہ نہ کریں۔

مذاق اڑانا دراصل خود کو برتر سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں نقص نکالنا ہے۔ ہم ایک منفی جملہ بول کر آگے بڑھ جاتے ہیں لیکن وہ جملہ کسی کی زندگی درہم برہم کردیتا ہے۔ اس لئے بات کریں تو اچھی بات کریں ورنہ خاموش رہیں۔ اعتماد گھر سے ملتا ہے۔ بچوں سے دوستی کریں اور ان میں چھپی ہوئی صلاحیت بیدار کریں تاکہ منفی رویے مقاصد کے حصول میں رکاوٹ نہ بنیں۔

اب میری سہیلی کی بات سنئے۔

جب میں آٹھ سال کی تھی تو محلے کے بچے میری زبان کا مذاق اڑاتے تھے۔ میرے ہم زبان پڑوسی جواب میں ان کی زبان کو برا کہتے۔ ساتھیوں کی دیکھا دیکھی ایک روز میں نے بھی جواب میں ان کی زبان کو برا کہا۔ تین مرتبہ ایسا ہوا۔ پھر اندر میں سے آواز آئی،

''کبھی کسی کی ذات برادری یا زبان کو برا مت کہنا ورنہ بات اس زبان کے بزرگوں تک پہنچتی ہے۔''

آواز ذہن میں نقش ہوگئی۔ وہ دن اور آج کا دن، میں نے کسی کا مذاق نہیں اڑایا۔

# کیا شعور پیمانہ ہے؟

’دوست‘ کے ساتھ مثبت اشارہ یعنی موجودگی ہے جب کہ ’خوف‘ اور ’غم‘ کے لئے منفی اشارہ یعنی عدم موجودگی ہے۔ اللہ کے دوستوں کو خوف و غم نہیں ہوتا۔ اللہ کے دوستوں کے ساتھ اللہ ہے اور جس دل میں خوف و غم ہے، ان کی سوچ ۔۔۔؟

---

پیمانے میں مقدار ایک گرام سے ہزاروں کلوگرام ہوسکتی ہے ۔۔۔ شعور جس قدر منظّم اور توانا ہے اسی مناسبت سے اپنی وسعت سے واقف ہے۔

شعور کو اسکرین تصور کریں جس پر اطلاعات تصاویر کی شکل میں مظاہرہ کرتی ہیں۔ اسکرین ہموار اور صاف ہونے سے تصاویر واضح نظر آتی ہیں اور مناظر قابل فہم ہو جاتے ہیں۔

یہ بات پیش نظر رکھنی ہے کہ ہم پہلے اپنے دماغ میں دیکھتے ہیں اور دماغ میں دیکھنے کو باہر دیکھنا سمجھتے ہیں۔ اس طرح دماغ کی اسکرین دو رخوں میں کام کرتی ہے۔ اسکرین ایک رخ میں اطلاع (روشنی) کو اصل حالت میں قبول کرتی ہے۔ دوسرا رخ اطلاع کو ماحول اور مفروضہ حالات کے اعتبار سے دکھاتا ہے۔ دونوں رخ پیمانہ ہیں۔

پہلے رخ کا سفر اعلیٰ صفات کی طرف ہے
اور دوسرا رخ اسفل سافلین ہے۔

شعوری پیمانے کو مختلف مثالوں سے سمجھیں۔

الفاظ ناقابل تعین وقفے (space) میں ذہن کی اسکرین پر تصویری صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر میں نے سیب یا پھول کہا ۔۔۔ دماغ میں طرح طرح کے پھولوں کی تصویر بنتی ہے۔ کھانے کا نام لینے سے انواع و اقسام کی غذاؤں کا عکس اسکرین پر نظر آتا ہے۔ توجہ میں ٹھہراؤ اور گہرائی سے جن کھانوں کا عکس بنتا ہے، ان کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے ۔۔۔ ماحول میں خوش بو پھیل جاتی ہے۔ سوچیں کہ نام سننے سے تصویر نظر آنے اور ذائقہ محسوس ہونے میں کتنا وقت لگا ۔۔۔؟

یہ نکتہ اہم ہے کہ تصویر ذہن کی اسکرین پر شعوری پیمانے کے مطابق بنتی ہے اور گہرائی پیدا ہونے پر خوش بو آتی ہے۔ خانوادہ سلسلہ عظیمیہ ۔۔۔ عظیمی صاحب نے اپنا ایک واقعہ لکھا ہے،

’’بس میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرا دل بڑا ہوتے ہوتے

بھینس کے دل جتنا ہوگیا اور آواز کے ساتھ پھٹ گیا۔ کٹے ہوئے انار کی طرح اس میں قاشیں بن گئیں۔ان قاشوں میں سے تیز اور روشن لہریں نکلنے لگیں۔ دیکھا کہ لہریں جہاں تک جارہی ہیں مناظر نظر آرہے ہیں ۔ یورپ کے بہت سے شہر، برفانی پہاڑ، کشمیر اور آسام کے پہاڑ اور زعفران کے کھیت دیکھے۔زعفران کے کھیتوں پر نظر پڑتے ہی زعفران کی خوش بو بس میں پھیل گئی۔لوگ حیران ہوکر پیچھے دیکھنے لگے۔ دو ایک حضرات نے کہا، 'زعفران کی اس قدر مہک کہاں سے آرہی ہے؟' ایک صاحب بولے، 'کسی کے پاس زعفران کا سینٹ ہوگا یا لگا رکھا ہوگا'۔ مشاہدات میں مگن ان باتوں کو سنتا رہا۔ شعاعوں میں فرشتوں کا مشاہدہ کیا۔''

ہزاروں میل دور مقامات کی سیر اور خوش بو شعور کی وسعت کا مظاہرہ ہے۔

سمجھنے سمجھانے کے لئے فہم و فراست ضروری ہے ورنہ رموز سمجھ میں آتے ہیں نہ اسرار کا مشاہدہ ہوتا ہے۔شعور کے لئے ضروری ہے کہ فراست ہو۔

شعور ایسی ایجنسی کے تابع ہے جسے لاشعور کہتے ہیں۔ لاشعور لامتناہی دنیا ہے جس میں ہر شے روشنی ہے۔شعوری پیمانہ وسیع ہونے سے روشنی کو قبول کرنے کی صلاحیت بڑھتی ہے۔

تصوف انکشاف کرتا ہے کہ مظاہرہ — لباس ہے۔ لباس (مادی وجود، جسم) خول ہے۔خول کے اندر حرکت اصل ہے اور اصل روشنی ہے۔

ظاہری لباس مٹی سے بنا ہے۔شعور لباس کے ساتھ ایک طرح سے receiver (وصول کنندہ) کی طرح کام کرتا ہے اور حرکت ہونا — اپنے ہونے کے احساس کا نام ہے۔ ریسیور درست کام نہ کرنے سے آواز نہیں پہنچتی یا غیر واضح ہوتی ہے۔ نتیجے میں مفہوم واضح نہیں ہوتا۔

غور سے پڑھئے۔

''سن رکھو! بے شک اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔'' (یونس: ۶۲)

تین نکات غور طلب ہیں۔

۱۔ اللہ کے دوست ۲۔ خوف ۳۔ غم

'دوست' کے ساتھ مثبت اشارہ یعنی موجودگی ہے جب کہ 'خوف' اور 'غم' کے لئے منفی اشارہ یعنی عدم موجودگی ہے۔ اللہ کے دوستوں کو خوف و غم نہیں ہوتا۔ اللہ کے دوستوں کے ساتھ اللہ ہے اور جس دل میں خوف و غم ہے، ان کی سوچ — ؟

دوست، خوف اور غم — عام فہم الفاظ ہیں جن سے ہم واقف ہیں۔ آیت میں الفاظ کو غور سے پڑھا جائے تو مفہوم نئے انداز میں منکشف ہوتا ہے۔

مضمون کے آغاز میں عرض کیا تھا کہ شعور دراصل پیمانہ ہے اور ہر فرد میں شعوری پیمانے کی مقداریں الگ الگ ہیں۔ پیمانے کی مناسبت سے الفاظ کا مفہوم

ذہن پر منعکس ہوتا ہے۔ پیمانے کے بارے میں ابدالِ حق فرماتے ہیں،

یہ آپ ہی کا تو نواسہ ہے
دریا پی کر جو پیاسا ہے
جلووں کا سمندر دے دیجئے
اے بادۂ حق اے جوئے علیؑ

ذہن گہرا، یکسو اور وسیع ہونا چاہئے تاکہ چھوٹی اور بڑی ہر بات اپنے پورے معنی و مفہوم کے ساتھ حافظے میں نقش ہو جائے۔ رب العالمین کا فرمان ہے،

''ہم نے قرآن کا سمجھنا آسان کر دیا۔ ہے کوئی سمجھنے والا۔'' (القمر:۱۷)

قرآن کریم کا اسلوب اور سمجھانے کا طریقہ سادہ، آسان اور عام فہم ہے۔ اللہ تعالیٰ مثالوں کے ذریعے روز مرہ مشاہدات کی طرف فکرِ انسانی کو متوجہ کرتے ہیں۔ مثلاً رات دن کا ادل بدل، پھلوں اور میووں کا پکنا، بارش کا نزول، بجلی کی چمک، بادل کی گرج، ہواؤں کا چلنا، کھیتی — زیتون، کھجور، انجیر، انار وغیرہ۔ آسمان اور زمین کا قائم رہنا، پہاڑ کا میخیں ہونا، انہی پہاڑوں کا بادلوں کی طرح اڑنا، سمندروں کا بہنا، دو سمندروں کے درمیان پردے کا ذکر، آبی، فضائی اور زیر زمین مخلوق کا تذکرہ — یہ سب میرے اور آپ کے مشاہدے میں ہے۔

قرآن کریم میں مثالیں بیان کر کے غور و فکر کی دعوت اور تاکید کی گئی ہے۔ یہ سارے نام اور ان سے منسوب تصور نیا نہیں ہے جب کہ ہمیں مثبت خیال اور مثبت چیزوں پر ٹھہرنے کی عادت نہیں۔ تفکر ذہن کو وسعت عطا کرتا ہے اور وجدانی فکر متحرک ہوتی ہے جس سے فرد کے اندر درست تجزیہ کرنے کی صلاحیت بیدار ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ خرچ کرنے کا تعلق شعوری پیمانے سے ہے۔ ارشاد باری ہے،

''جو لوگ اپنے مال شب و روز کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لئے خوف اور رنج کا مقام نہیں۔'' (البقرۃ: ۲۷۴)

اللہ کریم کی راہ میں خرچ کرنا آدمی کو اس مقام پر لے آتا ہے جہاں خوف اور غم نہیں ہے۔ خوف اور غم سے محفوظ رہنے والے خوش نصیب افراد کے بارے میں خالقِ کائنات اللہ کا ارشاد ہے،

''سن رکھو! بے شک اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔'' (یونس: ۶۲)

سب جانتے ہیں کہ دوست، دوست سے پہچانا جاتا ہے۔ دوست میں دوست کے اوصاف کا عکس نمایاں ہوتا ہے۔ اعلیٰ اوصاف بیدار کرنے کی ترغیب اس انداز میں دی گئی ہے،

''تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے؟ گھٹانا بھی اللہ کے اختیار میں ہے اور بڑھانا بھی، اور اسی کی طرف

تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔'' (البقرۃ: ۲۴۵)

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو اپنی تعریف و توصیف مقصود نہیں، وہ خاموشی سے خرچ کرتے ہیں۔ ان کے پیش نظر خالقِ کائنات کا حکم ہے کہ

''تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ وہ چیزیں خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔ اور جو تم خرچ کرو گے، اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔'' ('ال عمرٰن: ۹۲)

میرے پاس کچھ روپے ہیں جن کو ملکیت تصور کر کے بلا ضرورت اپنے پاس رکھا ہے۔ یہ پیسے میری ضرورت سے زیادہ ہیں اور میں ان سے کوئی مثبت یا فلاحی کام نہیں کر رہی۔ روپوں میں اضافہ ہو رہا ہے لیکن خرچ کی راہ نہیں ہے۔ کائنات حرکت کی وجہ سے قائم ہے۔ بلا ضرورت طویل وقت تک پیسے بند کر کے رکھنا کائناتی قوانین کے خلاف ہے۔ اگر میں کائناتی قوانین کا حصہ بنتے ہوئے وہ پیسے جو بلا ضرورت میرے پاس بند پڑے ہیں، ضرورت مند کو دے دوں تو ایسا کرنے سے معاشرے کو فائدہ ہوگا۔

فرض کریں کہ میں نے طالب علم یا مریض کی مدد کی ہے۔ دونوں کا الگ الگ تجزیہ کرتے ہیں کہ کس طرح چھوٹی بڑی رقم معاشی سرگرمیوں کا باعث بنتی ہے اور روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔

طالب علم: طالب علم نے کتابیں خریدیں۔ جس دکان سے سامان خریدا، دکان دار کے پاس رقم آئی۔ اسے ملازمین کو تنخواہیں دینے اور ہول سیلر (تھوک فروش) کو رقم ادا کرنے میں آسانی ہوئی۔ تھوک فروش نے اپنے ملازمین کو تنخواہ دی۔ ملازمین نے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے خریداری کی۔ طلب و رسد میں توازن کے لئے دکان داروں نے مزید اشیا کا آرڈر دیا۔ اس طرح ایک عمل سے خرید و فروخت کا سلسلہ شروع ہوا اور وسائل کی تقسیم عمل میں آئی۔

مریض: مریض کی مدد کی۔ اس نے دوا خریدی۔ صحت یاب ہوا اور یہاں بھی کڑی در کڑی روپوں کی گردش کا نہ رکنے والا سلسلہ چل پڑا۔ اس لئے اللہ کریم نے خرچ کرنے کو پسند فرمایا ہے۔ خرچ کرنے والا خوف و غم سے نجات پا کر اللہ کا دوست بن جاتا ہے۔

''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے، افزونی عطا فرماتا ہے۔ وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔'' (البقرۃ: ۲۶۱)

اللہ کی رزاقیت اور وسائل کی تقسیم کے حوالے سے تاریخی کتابوں میں واقعہ درج ہے،

''ایک شہر میں کساد بازاری اس حد تک پہنچی کہ وہاں کے بازار ویران ہو گئے۔ جب کاروبار چلنے کی صورت سامنے نہ آئی تو لوگوں نے نقل مکانی شروع کر دی۔ کساد بازاری اور نقل مکانی کی وجہ سے غریب مزدور

پریشان اور بدحال ہونے لگے۔ مصیبت کا کوئی حل سامنے نہیں آیا اور کوئی بات ایسی نہیں بن رہی تھی کہ بازار کی ویرانی ختم ہو کر دوبارہ گہما گہمی پیدا ہو جائے۔

ایک روز دو سوداگر آئے اور خریداری شروع کی۔ حد یہ ہے کہ سوئی سے ہاتھی تک ہر چیز کے دام لگ گئے۔ خریداری کے نتیجے میں گھوڑے، خچر، بیل گاڑیاں، مزدور ہر شخص متحرک ہو گیا۔ سوداگروں نے اعلان کیا کہ ہم ایک ہفتے تک خریداری کریں گے۔ ضروریات کی فہرست طویل کر دی۔ شہر کے تاجروں نے رات دن کی کوشش کے بعد دوسرے شہروں سے سامان کی فراہمی کا بندوبست کیا۔ ایک ہفتے میں ایسا ماحول پیدا ہو گیا کہ شہر میں گہما گہمی ہو گئی۔

لوگ خوش حال ہو گئے۔ چہروں پر تازگی آ گئی۔ نقل مکانی کرنے والے واپس آ گئے۔ مزدور مالا مال ہوئے۔ اضطراب، بے چینی، افلاس اور بھوک کا دور دورہ ختم ہو گیا۔ ایک ہفتے کی خریداری کے بعد سامان اٹھانے اور جہاز پر چڑھانے کا مسئلہ پیش آیا۔ سامان چڑھانے کے لئے مزدور برادری مصروف ہو گئی۔

اس طرح اجڑا ہوا شہر دوبارہ بس گیا۔

دونوں سوداگروں کے ساتھ ایک بڑے میاں تھے جو محنت مزدوری کے لئے ان کے ساتھ رہے۔ خریدا ہوا سامان جہاز میں رکھ دیا گیا اور سوداگروں نے بزرگ مزدور کو رخصت کیا تو اس نے کہا، میں تنہا ہوں، آپ لوگوں کی خدمت کروں گا، میری زندگی گزر جائے گی۔ اپنے ساتھ لے چلیں۔

سوداگر اور مزدور جہاز میں سوار ہو گئے۔ جہاز چلتے چلتے جب سمندر کے بیچ میں پہنچا تو سوداگروں نے جہاز کو سمندر میں ڈبو دیا اور بوڑھے مزدور کو بتایا کہ ہم فرشتے ہیں۔ چوں کہ بستی کا روبار نہ ہونے کی وجہ سے برباد ہو رہی تھی اس لئے اللہ نے حکم دیا کہ بستی آباد رہنی چاہئے تاکہ مخلوق کو رزق فراہم ہوتا رہے۔ یہ کہہ کر فرشتے غائب ہو گئے۔''

خرچ کرنا خدمت کے زمرے میں آتا ہے۔ مخلوق کے لئے وسائل فراہم کرنا اور ان کا خیال رکھنا اللہ کی صفت ہے۔ فرد ذہنی، جسمانی اور مالی صلاحیت کے اعتبار سے مخلوق کی خدمت کرتا ہے تو دراصل وہ اللہ کی سنت پر عمل کرتا ہے۔ خدمت سے شعور کا پیمانہ اور فراخ دلی سے ذہن وسیع ہوتا ہے۔

کائنات کو ایک ادارہ تصور کریں۔ اللہ نے کائناتی ادارے کے قواعد وضوابط اور اصول وقوانین مرتب کئے ہیں۔ قوانین سمجھانے اور سکھانے کے لئے منتخب بندے بھیجے جنہوں نے لوگوں کو قوانین سے متعارف کرایا۔ کائناتی ادارے میں اللہ نے جس فرد کو جہاں متعین کیا ہے، اسے وہاں اپنی ذمہ داری پوری کرنی ہے۔ ادارے کی پالیسی پر عمل کرنے والا خوش نودی کا باعث ہوتا ہے اور اسے انعام ملتا ہے۔

حرکت اور خدمت کے وصف کو قبول کرنے والے کائنات کے فعال رکن بن جاتے ہیں۔

Manufacturer of
Embroided Lace & Fabrics

# PRIME LACE INDUSTRIES
## (PVT.) LTD.

C-8, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880107 Fax: 022-3880381

شازیہ رشید

# اماں میرے باوا کو بھیجو ری کہ ساون آیا

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے ایک عقیدت مند نے درخواست کی کہ امیر خسروؒ کو آپ جس نظر سے دیکھتے ہیں، اس نظر سے ایک مرتبہ مجھے دیکھ لیں۔

تو آں شاہی کہ بر ایوان قصرت
کبوتر گر نشیند باز گردد
غریبے مستمندے بردر آمد
بیاید اندروں یا باز گردد

ترجمہ: تم وہ بادشاہ ہو کہ تمہارے محل پر کبوتر بیٹھے تو باز بن جائے۔ ایک غریب حاجت مند دروازے پر اجازت کا منتظر ہے۔ وہ اندر آئے یا لوٹ جائے؟

خانقاہ کے باہر بیٹھے شخص نے رباعی لکھ کر اندر بھیجی اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک عقیدت مند خانقاہ سے باہر آیا اور کہا، پیرومرشد فرماتے ہیں،

در آید گو بود مرد حقیقت
کہ باما ہم نفس ہم راز گردد
اگر ابلہ بود آں مرد ناداں
ازاں راہے کہ آمد باز گردد

ترجمہ: اگر سائل حقیقت شناس ہے تو اندر آجائے تاکہ ہمارا ہمدم و ہمراز بنے۔ اور نادان ہے تو جس راستے سے آیا ہے اسی راستے سے لوٹ جائے۔

پیغام ملتے ہی اضطراب طاری ہوگیا اور تیزی سے خانقاہ میں داخل ہوا۔ متبسم چہرے پر نظر پڑی اور ادب سے جھک گئی۔ بزرگ نے سر پر دستِ شفقت رکھا۔ لمس محسوس ہوتے ہی بے خودی طاری ہوئی اور زندگی کا نیا دور شروع ہوگیا۔ بیعت ہوتے ہی شعر کہا،

مفتخر از وے بہ غلامی منم
خواجہ نظام است و نظامی منم

ترجمہ: حضرت کی غلامی پر مجھے فخر ہے۔ میرے خواجہ نظام ہیں اور میں نظامی ہوں۔

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے محبوب مرید ــــ امیر خسروؒ کا نام ابوالحسن یمین الدین تھا۔ وہ 1253ء میں پٹیالہ میں پیدا ہوئے۔ والد امیر سیف الدین لاچین قوم کے ترک سردار تھے۔ منگولوں کے حملوں کے وقت ہندوستان ہجرت کی۔ یہاں ایک امیر عماد الملک کی بیٹی سے شادی ہوئی۔

خسروؒ والدین کی تیسری اولاد تھے۔ نو (9) سال

کی عمر میں والد کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ لکھنے، پڑھنے اور شعر و شاعری کا بچپن سے شوق تھا۔ نانا عماد الملک نے پرورش کی اور ہونہار نواسے کو ظاہری علوم وفنون میں اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کیا۔

علوم ظاہری کے بعد باطنی علوم کی طرف راغب ہوئے۔اس وقت ہندوستان میں سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا شہرہ تھا۔امیر خسروؒ ان سے بیعت ہوئے اور راہِ سلوک کی منازل طے کیں۔اسباق پابندی سے پڑھتے اور شب بیداری کرتے تھے۔پیرومرشد کی خدمت میں جو منزلت وقربت انہیں حاصل تھی، کسی اور شاگرد کے حصے میں نہیں آئی۔محفل میں سماع کی ابتدا خسروؒ سے ہوتی تھی۔خواجہ نظام الدینؒ اپنے محبوب شاگرد کے کلام اور برجستہ گوئی کے معترف تھے۔امیر خسروؒ کو عشق ومحبت کا چشمہ پیرومرشد کی چوکھٹ پر ملا۔ یہی وہ چوکھٹ تھی کہ جہاں دل نوازی کی بابت خبر ونظر ملی اور ہر طرح کی تفریق سے آزاد ہونے کا وصف سیکھا۔

امیر خسروؒ فرماتے ہیں کہ میں گل ہوں نہ بلبل، شمع نہ پروانہ، اپنے حسن کا عاشق اور دیوانہ ہوں کہ میرا وجود حصہ ہے، وجودِ کُل کے حسن کا۔

نے گلم نے بلبلم نے شمع نے پروانہ ام
عاشق حسن خودم بر حسن خود دیوانہ ام

لوہار تپش دے کر لوہا موم کرتا ہے اور سنار سونے کو پگھلا کر ماتھے کا جھومر بناتا ہے، اسی طرح مرشد ریاضت کی بھٹی میں سلگا کر مرید کو اپنے سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔

خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے ایک عقیدت مند نے درخواست کی کہ امیر خسروؒ کو آپ جس نظر سے دیکھتے ہیں، اس نظر سے ایک مرتبہ مجھے دیکھ لیں۔

خواجہ نظام الدین اولیاؒ خاموش رہے۔پھر فرمایا، پہلے خسروؒ جیسی قابلیت پیدا کر!

ایک سائل خانقاہ میں حاضر ہوا۔اس روز دینے کے لئے کچھ نہیں تھا۔خواجہ نظام الدین اولیاؒ کو اسے خالی ہاتھ بھیجنا اچھا نہیں لگا، اپنے پیزار (جوتے) دے دیئے کہ فروخت کر دینا۔راستے میں سائل کی ملاقات محبوب مرید سے ہوگئی۔فرمایا، تمہارے پاس سے پیرو مرشد کی خوش بو آرہی ہے۔سائل نے واقعہ بیان کیا۔ مرید بے تاب ہو گیا۔ پوچھا، کیا اسے فروخت کرو گے؟ وہ راضی ہو گیا۔ روایت ہے کہ امیر خسروؒ کے پاس اس وقت نُقرئی سکّے تھے جو انہوں نے پیش کر دیئے اور پیزار سر پر رکھ کر صافہ باندھ لیا۔مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔عرض کیا، اس شخص نے بس اسی پر اکتفا کیا ورنہ اگر وہ پیزار کے بدلے میری جان اور مال مانگتا، میں بلا تردد پیش کر دیتا۔

اسی طرح امیر خسروؒ کئی مہینے تک پیرومرشد کے پاس حاضر نہ ہو سکے۔ملاقات ہوئی تو عرض کیا،

نخفت خسرو مسکیں ازیں ہوس شب ہا
کہ دیدہ برکف پایت نہد بخواب شود

ترجمہ: خسرو غریب اس حسرت میں کئی راتوں

سے جاگ رہا ہے کہ حضرت کے تلووں پر آنکھیں رکھ کر سوئے گا۔

حضرت امیر خسروؒ کی صوفیانہ شاعری عشق حقیقی کی آئینہ دار ہے۔ان کے ایک فارسی کلام ''نمی دانم چہ منزل بود شب جائیکہ من بودم'' کا منظوم ترجمہ پڑھئے جو جناب مسعود قریشی نے کیا ہے۔

نہیں معلوم تھی کیسی وہ منزل، شب جہاں میں تھا
ہر اک جانب بپا تھا رقص بسمل، شب جہاں میں تھا
پری پیکر صنم تھا سرو قد، رخسار لالہ گوں
سراپا وہ صنم تھا آفت دل، شب جہاں میں تھا
خدا تھا میرِ مجلس لامکاں کی بزم میں خسرو
محمدؐ تھے وہاں پر شمع محفل، شب جہاں میں تھا

حضرت امیر خسروؒ کی شاعری کا بڑا حصہ فارسی اشعار پر مشتمل ہے۔ایک اور کلام ''دیدم بلائے ناگہاں عاشق شدم دیوانہ ہم'' کا منظوم ترجمہ پیش ہے جو حکیم شمس الاسلام صاحب کا کیا ہوا ہے۔

جہاں سے اس آفت کا ہوں عاشق بھی دیوانہ بھی
ساری دنیا بہری ہوگئی اپنا بھی بیگانہ بھی
دیوانہ ہے عاشق بھی ہے یہ تو آگ لگادے گا
سب کچھ اس میں جل جائے گا بستی بھی ویرانہ بھی
شمع ہے خوبان جہاں یہ جلنے والے جانتے ہیں
اس سوزش کی لذت سے کچھ واقف ہے پروانہ بھی
جب بھی رات کو نیند نہ آئی خسرو تیرے در پر تھا
پلکوں پر تھے چاند ستارے کہتا تھا افسانہ بھی

امیر خسروؒ نے اپنی شاعری سے آدمیت کو انسانیت کا درس دیا۔رشتوں کی اہمیت اور محبت کی قدر و قیمت سکھائی اور اپنے منصب سے انصاف کی تلقین کی۔

آں سروراں کہ تاجِ سر خلق بودہ اند
اکنوں نظارہ کن کہ ہمہ خاکِ پاشدند
سری کہ زیر زیں شد نہفتہ شاہاں را
ہماں سر است کہ برآسماں فراختہ اند

مفہوم: تکبر و غرور کی علامت، سر پر تاج پہننے لوگ آج پاؤں کی دھول بن گئے ہیں۔وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے تکبر کے ساتھ حکومت کی۔زمین کے اندر جانے کہاں! ان کے نام و نشان مٹ گئے ہیں۔

فکر و نظر میں کشادگی سے انسان فقیری میں بادشاہی کرتا ہے۔حضرت امیر خسروؒ فرماتے ہیں کہ اگر بندہ ذہن وسیع کرلے اور صاحبِ نظر بن جائے تو اسرارِ کائنات اس پر کھل جاتے ہیں۔

رخ چہ پوشی چوں حدیثِ حسن تو پنہاں نماند
گل بصد پردہ دروں از بوئی خود مستور نیست!

مفہوم: محبّ کو محبوب کی خوش بو ملتی رہتی ہے۔جمال حقیقی ہر پردے میں نہاں اور ہر پردے سے عیاں ہے۔پھول سینکڑوں ہزاروں پردے میں کیوں نہ رہے، خوش بو اسے پردے میں رہنے نہیں دیتی۔

سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ فرماتے تھے کہ امیر خسروؒ مجھے اتنا عزیز ہے کہ اگر قیامت کے روز سوال ہوگا کہ اے نظام الدین! تو دنیا سے کیا لایا ہے؟

عرض کروں گا، یا الٰہی! خسروؔ کے دل کا سوز!

حضرت امیر خسروؒ کا شمار اردو اور فارسی کے عظیم المرتبت شاعروں میں ہوتا ہے۔ اردو اور فارسی ادب کی تقریباً تمام اصناف میں طبع آزمائی کی اور سب میں منفرد مقام ہے۔ انہیں طوطیٔ ہند کہا جاتا ہے۔ وہ اردو کے پہلے شاعر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اردو کے علاوہ عربی، فارسی، ترکی، ہندی اور سنسکرت زبانوں پر مہارت تھی۔ انہوں نے مختلف زبانوں کی آمیزش سے ادب کو نئے رنگ دیئے۔ ان کی غزل ''زحال مسکیں مکن تغافل'' اردو شاعری کا نقش اول ہے۔

زحال مسکیں مکن تغافل
درائے نیناں بنائے بتیاں
چو تاب ہجراں ندارم اے جاں
نہ لیجو کاہے لگائے چھتیاں
شبان ہجراں دراز چوں زلف
وروز وصلت چوں عمر کوتاہ
سکھی! پیا کو جو میں نہ دیکھوں
تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل دو چشم جادو
بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے
پیارے پی کو ہماری بتیاں
چوں شمع سوزاں، چوں ذرّہ حیراں
ہمیشہ گریاں، بہ عشق آں مہ
نہ نیند نیناں، نہ انگ چیناں
نہ آپ آویں نہ بھیجے پتیاں

صوفی منش شاعر امیر خسروؒ نے فکر وفن اور خداداد صلاحیتوں سے خواص وعوام دونوں کو متاثر کیا۔ ان کی زبان گھر گھر کی زبان بن گئی۔ غزلوں اور نظموں کے علاوہ انمل بے جوڑ، پہیلیاں، دوہے، کہہ مکرنیاں، دوسخنے اور گیت بھی لکھے۔ چند نمونے پیش خدمت ہیں۔

چار مہینے بہت چلے اور آٹھ مہینے تھوڑی
امیر خسروؔ یوں کہے تو بوجھ پہیلی موری

بعض پہیلیوں میں جواب خود دیا ہے جیسے کہ آم۔

برسا برس وہ دیس میں آوے
منہ سے منہ لگا رس پیاوے
وا خاطر میں خرچے دام
اے سکھی ساجن نا سکھی آم

دوہے:

① خسروؔ دریا پریم کا الٹی وا کی دھار
جو اترا سو ڈوب گیا، جو ڈوبا اس پار

② خسروؔ رین سہاگ کی جاگی پی کے سنگ
تن میرو من پیو کو دوؤ بھئے ایک رنگ

کہہ مکرنی: کہہ کر انکار کرنا۔

وہ آوے تب شادی ہووے
اس بن دوجا اور نہ کوئے
میٹھے لاگیں وا کے بول
اے سکھی ساجن نا سکھی ڈھول

دو سخنے، دو مختلف باتیں جن کا جواب ایک ہو۔

انار کیوں نہ چکھا؟
وزیر کیوں نہ رکھا؟

جواب: دانہ/دانا نہ تھا۔

جوتا کیوں نہ پہنا؟
سنبوسہ کیوں نہ کھایا؟

جواب: تلا نہ تھا۔

امیر خسروؒ کو شاعری کے ساتھ فنِ موسیقی پر عبور تھا۔ طبلہ، ستار اور ڈھولک ایجاد کی۔ نئے اور انمول راگ دیئے۔ ان کے نانا عماد الملک علم پرور اور فن نواز تھے۔ گھر پر علمی و ادبی اور موسیقی کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔

امیر خسروؒ کے مقبول گیتوں میں سے دو پیش ہیں۔

اماں میرے باوا کو بھیجو ری کہ ساون آیا
بیٹی تیرا باوا تو بڈھا ری کہ ساون آیا
اماں میرے بھیا کو بھیجو ری کہ ساون آیا
بیٹی تیرا بھیا تو بالا ری کہ ساون آیا
اماں میرے ماموں کو بھیجو ری کہ ساون آیا
بیٹی تیرا ماموں تو بانکا ری کہ ساون آیا

---

چھاپ تلک سب چھینی رے
موسے نیناں ملائکے
نیناں ملائکے نیناں لڑائکے
اپنی سی کرلی موسے نیناں ملائکے
خسروؔ نجام کے بل بل جاؤں
موہے سہاگن کی رے
موسے نیناں ملائکے

حضرت نظام الدین اولیاؒ کا وصال ہوا تو امیر خسروؒ بنگال میں تھے۔ خبر ملتے ہی دہلی روانہ ہوئے۔ مرقد پر پہنچ کر یہ دوہا پڑھا۔

گوری سووے سیج پہ مکھ پہ ڈارے کیس
چل خسروؔ گھر آپنے سانج بھئی چوندیس

مفہوم: محبوب رخ زیبا کو زلفوں سے ڈھانپ کر سو رہا ہے۔ اے خسروؔ! تو بھی اب اپنے اصلی گھر چل کیوں کہ شام کی تاریکی ہر طرف چھا گئی ہے۔

مرشد سے جدائی کا درد اس دوہے میں سمٹ آیا۔

پیر و مرشد کے وصال کے بعد حضرت امیر خسروؒ گوشہ نشین ہو گئے۔ مرشد کے دم سے ان کی دنیا قائم تھی۔ وصال کے چھ ماہ بعد مرید نے بھی جہانِ فانی کو الوداع کہا۔ انہیں خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مزار کے پائیں میں دفن کیا گیا۔

زائرین پہلے امیر خسروؒ کے مزار پر حاضری دیتے ہیں پھر سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مزار پر حاضر ہوتے ہیں تاکہ محبوب مرید سے سوز و گداز کا فیضان حاصل کر کے اس قابل ہوں کہ پیر و مرشد کے فیض سے مستفیض ہو سکیں۔

شعرائے کرام اور قارئین سے درخواست ہے کہ پرانے شعرا کے کلام ہمیں لکھ کر بھیجیں۔

# من تو شدم تو من شدی

| فارسی کلام | اردو ترجمہ |
|---|---|
| ای چہرۂ زیبای تو رشک بتان آذری | اے چہرۂ زیبا! آذر کے حسین مجسمے تجھ پر رشک کرتے ہیں |
| ہر چند وصفت می کنم در حسن از آں زیبا تری | جتنی تیری صفت کروں، تیری زیبائش سب سے بڑھ کر ہے |
| ہرگز نیاید در نظر نقشی ز رویت خوبتر | میری نظر میں تیرے چہرے سے خوب کوئی چہرہ نہیں |
| حوری ندانم ای پسر فرزند آدم یا پری | چاہے اس کا تعلق نسلِ آدم سے ہو یا پری سے |
| آفاق را گردیدہ ام مہر بتان ورزیدہ ام | آفاق کی سیر کی اور دوشیزاؤں سے مانوس ہوا |
| بسیار خوبان دیدہ ام اما تو چیز دیگری | حسین وجمیل چہرے دیکھے لیکن تیری بات ہی اور ہے |
| تو از پری چابک تری وز برگ گل نازک تری | تو پری کی طرح چابک اور پنکھڑی کی مانند نازک ہے |
| وز ہر چہ گویم بہتری حقا عجائب دلبری | جو کچھ میں نے کہا بہتر کہا میرے دلبر کے عجائب سچ ہیں |
| ای راحت وآرامِ جان! باروی چون سرو روان | اے راحت جاں! جب تو سرو قد کے ساتھ چلتا ہے |
| زینسان مرو دامنکشان کارام جانم می بری | تو تیرے وجود سے دل کا قرار بے قرار ہوجاتا ہے |
| عزم تماشا کردہ ای آہنگ صحرا کردہ ای | تماشا دکھانے کا عزم کرکے مجھے صحرا کی موسیقی بنا کر |
| جان و دل ما بردہ ای اینست رسم دلبری | میرا دل و جان لے لیا ہے، کیا یہی رسمِ محبت ہے |
| عالم ہمہ یغمای تو خلقی ہمہ شیدای تو | عالم تیرا اسیر ہے اور خلق تیری شیدائی ہے |
| آن نرگس رعنای تو آوردہ کیش کافری | تیری نرگسی آنکھوں نے معشوقوں کی عادت اپنالی ہے |
| من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی | میں تو ہوا تو میں ہوا، میں تن ہوا تو جاں ہوئی |
| تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری | بعد ازاں کوئی نہ کہے کہ میں اور ہوں، تو اور ہے |
| خسروؔ غریبست و گدا افتادہ در شہر شما | خسروؔ غریب و گدا ہے، تیرے شہر میں آبسا ہے |
| باشد کہ از بہر خدا سوی غریبان بنگری | خدا کا واسطہ کہ اپنی نگری کے غریبوں پر نظر کرم کر |

شہد
میں شفا ہے
wild flower
organic
honey
Life Sciences
Karachi-Pakistan
عظیمی میڈیکل اسٹور
ہول سیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسو ہال، کراچی۔
فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

Since 1990

# MOTOLUX

INDUSTRIES

**GLOVES ENGINEERING COMPANY.**

Motolux Street,Muzzafarpur, Ugoki Road,
Sialkot-51340,Pakistan,
Tel: +92-52-3252284,Fax: +92-52-3240216
info@motolux.pk

حامد ابراہیم

# ستاروں کی مجلس

اگلے شمارے میں آپ پڑھیں گے کہ ★ ستاروں کی تخلیق کیسے ہوتی ہے؟ ★ کیا ستارے باتیں کرتے ہیں؟ ★ ستاروں کے گرد سیارے کیسے تخلیق پاتے ہیں؟ ★ روحانی ماہرین اس حوالے سے کن اسرار سے پردہ اٹھاتے ہیں؟

چمکتے دمکتے ستارے آسمان کی زینت ہیں۔ دیکھنے والوں (اولی الالباب) کے لئے ان ستاروں میں دنیائیں آباد ہیں۔ وہ ان دنیاؤں کا نظارہ کرتے ہیں اور رب کریم کی تعریف وتوصیف بیان کرتے ہیں۔

یہ مت سمجھیں کہ زمین پر سے ستاروں کو دیکھنا ان سے واقف ہونا ہے۔ جب تک دو کے درمیان فاصلہ ایک نہ ہو، واقفیت کی تکمیل نہیں ہوتی۔

ستاروں کی دنیا تک سب کی رسائی نہیں۔ بروج فکشن سوچ رکھنے والوں کی پہنچ سے دور ہیں۔

فکشن سوچ کے حامل لوگ کون ہیں—؟

ہر وہ شخص جو دن رات تغیر میں رہتا ہے اور تغیر کو زندگی سمجھتا ہے، فکشن میں مبتلا ہے۔

قرآن کریم میں ''نجوم'' کا لفظ نو (9) اور ''نجم'' چار مرتبہ آیا ہے۔ چند آیات یہ ہیں:

۱۔ اور اس نے تمہارے لئے مسخر کئے رات اور دن۔ اور سورج اور چاند اور سب ستارے بھی اس کے حکم سے مسخر ہیں۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو صاحبِ عقل وفہم ہے۔ (النحل:۱۲)

۲۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کے لئے سربسجود ہیں وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے آدمی۔ اور بہت سے وہ لوگ بھی جو عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔ اور جسے اللہ خوار کردے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ (الحج: ۱۸)

۳۔ پھر جب ستارے ماند پڑ جائیں گے۔ (المرسلٰت: ۸)

۴۔ اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔ (التکویر:۲)

۵۔ اس نے علامتیں رکھیں اور ستاروں سے بھی لوگ راہ پاتے ہیں۔ (النحل: ۱۶)

۶۔ قسم ہے تارے کی جب وہ غروب ہوا۔ (النجم:۱)

اجرامِ فلکی سے متعلق آیات یکجا کر کے مطالعہ کیا جائے تو فلکی اجرام کی تخلیق، دورِ حیات، حرکیات،

ہیئت اور موت سے متعلق علوم کی تفہیم ملتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے چاند، ستاروں اور سورج کی اصل کو سمجھنے والوں کو صاحبِ عقل وفہم قرار دیا ہے۔

★ ★ ★ ★

جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں ستاروں کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں وہ کیا ہیں۔

۱۔ خشکی اور تری میں ستاروں سے راہ نمائی:

زمین تین حصے پانی اور ایک حصہ خشکی پر مشتمل ہے یعنی چاروں حصے کُل زمین ہے۔ خشکی اور تری کے معاملات کا حساب ستاروں سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔ زمانۂ قدیم سے دورِ حاضر تک زمین کے ماہ وسال اور اوقات کے تعین میں ستاروں سے مدد لی جاتی ہے۔ جہاز رانی میں راہ نمائی کے لئے ان کی اہمیت مسلّمہ ہے۔ خشکی میں موسمی تغیرات کے حوالے سے سورج، چاند ستاروں کے گردشی ادوار، اپنے مدار میں قرب (Perigee) اور بُعد (Apogee) کے اوقات کے تعین سے قمری وشمسی کیلنڈر، برسات اور خشک سالی کے جدول (table) تیار کئے جاتے ہیں۔

۲۔ دن رات اور اجرامِ فلکی کا مسخر ہونا:

نوعِ آدم میں آدمی اور انسان دو کیٹیگری ہیں۔ انسان کے مرتبے پر فائز ہستیاں ستاروں کے نظام، تخلیق وترکیب، گردش ومدار اور ان سے متعلق دیگر امور پر دسترس رکھتی ہیں اور اللہ کے حکم سے ان میں تصرف کرتی ہیں۔

۳۔ اجرامِ فلکی سمیت مخلوقات کا اللہ کو سجدہ کرنا:

ستارے اور اجرامِ فلکی باشعور ہیں۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اور فہم حاصل ہے۔ علم ہے کہ خالق کون ہے اور وہ خالق کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اس سے رائج تاثر کہ ستارے محض گیسوں اور آگ کے بھڑکتے گولے یا بے جان اجسام ہیں، کی نفی ہوتی ہے۔

۴۔ ستاروں کے مواقع مقرر ہونا:

مواقع سے مراد مدار، محوری وطولانی گردش، مدار کی شکل اور طول وعرض، کہکشانی نظام میں مقام کا تعین، دوسرے ستاروں اور نظاموں سے فاصلہ وغیرہ ہے۔

۵۔ ستاروں کی روشنی مقررہ وقت کے بعد ختم ہونا:

ہماری طرح ستاروں کی زندگی کے ادوار (پیدائش، بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا اور موت) ہیں۔

۶۔ ستاروں کا بکھرنا:

بکھرنے سے مراد موت ہے۔

''اور جب ستارے بکھر (انکدرت) جائیں گے۔''
(التکویر:۲)

''انکدرت'' کے لغوی معنی بکھرنے اور ماند پڑنے کے ہیں۔ وضاحت ہوتی ہے کہ ستارے جب موت سے ہمکنار ہوتے ہیں تو اپنے مقام پر قائم نہیں رہتے، ذرّات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ان کی روشنی تحلیل ہوکر دیگر مخلوقات کے کام آتی ہے۔

۷۔ ستاروں کا چمکنا:

قرآن کریم میں ستاروں میں روشنی کے نظام کو سمجھنے

کے لئے زمین کے کناروں سے نکلنے کا فارمولا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''اے جن وانس! تم زمین وآسمان کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل کر دکھاؤ۔ تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے۔'' (الرحمٰن: ۳۳)

محققین نے ستاروں سے آنے والی روشنی کی طولِ موج سے اندازہ لگایا ہے کہ مخصوص طولِ موج کی روشنی مخصوص گیسوں یا مادوں سے خارج ہوتی ہے۔ اس بنا پر متعلقہ ستارے میں عناصر کی ترکیب و مقدار کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ قارئین! ستاروں کی ہیئت اور ترکیب جاننے کی محققین کی کوشش قابلِ تعریف ہے تاہم اندازے قیاس پر قائم ہیں کیوں کہ نہیں معلوم آنے والی روشنی ستارے کی ہے یا—؟

محققین نے سمندروں کی تہوں سے متعلق اندازے لگائے۔ جب وہ تہ میں اترنے کے قابل ہوئے اور عجائبات دیکھے تو اندازے غلط ہوگئے۔ بحری جغرافیہ کے ماہر اور معروف غوطہ خور David Gallo اعتراف کرتے ہیں کہ

''ہم سمندروں کو اب تک جتنا کھنگال اور سمجھ سکے ہیں وہ سمندروں کے کل حجم کا پانچ فی صد بھی نہیں۔''

ڈیوڈ گیلو کے بیان سے محققین اتفاق کرتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سمندر زمین کے تین چوتھائی رقبے پر محیط ہیں اور ہم ان کے بارے میں پانچ فی صد سے کم علم رکھتے ہیں۔ اگر خشکی کے تمام حصے کی دریافت کا دعویٰ کیا جائے پھر بھی زمین کا بڑا حصہ ہماری معلومات سے دور ہے۔

روحانی ماہرین فرماتے ہیں،

''محقق خود مشاہدے کے بغیر کسی چیز کو نہیں مانتے پھر بغیر مشاہدے کے اپنی تحقیق پر نظریات اور شعبہ جات کیسے قائم کر لیتے ہیں؟ جب تک مشاہدہ نہ ہو، علم ادھورا ہے۔''

۸۔ ستارے اور آسمانی دنیا کی زینت:

قرآن کریم میں آسمان کو چھت سے تشبیہ دی گئی ہے اور انہیں عمارت کی منازل کی طرح بیان کیا گیا ہے۔ جدید ریاضی اور طبیعیات کی رو سے چھت سطحِ مستوی (plane) ہے جو ایک جیسے نقطوں کے ایک سطح پر جمع ہونے سے بنی ہے۔ نقطے متصل ہیں، ان کے درمیان خلا نہیں ہے۔ یعنی تمام نقطے لمبائی، چوڑائی، اور اونچائی میں ایک دوسرے کی کاربن کاپی ہیں۔

ریاضی کے سطحِ مستوی کے تصور کا اطلاق اگرچہ زمینی اجسام کی پیمائش تک محدود ہے تاہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر ایک آسمان روشنیوں کی مخصوص مقداروں پر مشتمل ہے تو دوسرے اور تیسرے آسمان کی مقداریں مختلف ہیں۔ ہر آسمان میں اجرام اپنے ماحول کی مناسبت سے ہیں۔ جاننے کے لئے آسمان کی روشنی کا علم ضروری ہے۔

★ ★ ★ ★

ستارے اور مسلم محققین: قرآن کریم میں تفکر و تحقیق

کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے مسلمان محققین نے رصدگاہیں قائم کیں۔قمری وشمسی کیلنڈر میں اصلاحات کیں۔ دوسری زبانوں کی کتب کے تراجم کرکے ان میں قابلِ قدر اضافے کئے۔علمِ فلکیات میں مسلمانوں کی اتنی خدمات ہیں کہ ستاروں اور سیاروں کے بیش تر نام عربی ہیں یا عربی ناموں سے ماخوذ ہیں۔ستاروں کے مشہور جھرمٹوں (constellations) کے نام، طلوع کے اوقات اور سمت کا تعین زیادہ تر مسلمان ماہرین فلکیات کا دریافت کردہ ہے۔

مثال: ستاروں کے معروف جھرمٹ ''الجبار'' کا انگریزی نام Orion ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کے تقریباً ہر علاقے سے نظر آتا ہے اور ہر تہذیب کے زیر مطالعہ رہا ہے۔ اس میں موجود سات بڑے ستاروں کے نام بنیادی طور پر عربی ہیں۔ اسلام سے پہلے اس جھرمٹ کے مختلف نام رکھے گئے مگر جو نام مسلمان محققین نے رکھا، زبان زدِ عام ہوا اور ان کی تحقیقات کو بعد کے ادوار میں تسلیم کیا گیا۔

★ ★ ★ ★

محققین کی جانب سے معروف جھرمٹ ''الجبار'' میں ستاروں کو دیئے گئے نام اور خصوصیات یہ ہیں۔

★ المیسان (Meissa) روشن چمک دار:

مسلمان محققین نے جدید اور بھاری بھرکم دوربینوں کی مدد کے بغیر بظاہر ایک نظر آنے والے اس ستارے کو دوستاروں کا نظام (Binary system) قرار دیا۔ موجودہ تحقیق نے اس کی تصدیق کی ہے۔

مغربی ماہرین فلکیات کے مطابق دو ستاروں میں سے ایک حجم میں سورج سے دس گنا اور کمیت میں 28 گنا بڑا ہے جب کہ اس کا ساتھی ستارہ سورج سے تقریباً دو سے پانچ گنا بڑا ہے۔

محققین کا کہنا ہے کہ ان کے ہمراہ مدہم اور کم حجم کا بھورے رنگ کا بونا ستارہ (brown dwarf) موجود ہے جو مادی آنکھ سے نظر نہیں آتا۔

★ ابط الجوزاء (Betelgeuse) وسط کا اندرون:

مادی آنکھ سے نظر آنے والے ستاروں میں دسویں نمبر پر روشن ستارہ سمجھا جاتا ہے۔ حجم اور وزن کے بارے میں محققین کا خیال ہے اسے ہمارے سورج کی جگہ رکھ دیا جائے تو عطارد، زہرہ، زمین، مریخ اور غالباً مشتری مدار سمیت اس کے اندر آجائیں گے۔ان کے مطابق مطلع صاف ہونے پر رنگ قدرے سرخی مائل جب کہ دوربینوں سے سرخ گولے کی مانند نظر آتا ہے۔ روشنی کم وبیش ہوتی رہتی ہے جس کی وضاحت کے لئے مختلف مفروضات قائم کئے گئے ہیں۔ حقیقت کیسے معلوم ہو—؟ طریقہ اگلی قسط میں پڑھیں۔

★ الجنید (Bellatrix) فاتح:

مادی آنکھ سے نظر آنے والے ستاروں میں 25ویں نمبر پر روشن ستارہ بتایا جاتا ہے۔سورج سے تقریباً 8.6 گنا کمیت میں زیادہ ہے۔ رنگ نیلگوں سفید ہے۔ 1275ء کے ستاروں کے عربی جدول اور نقشوں میں

نام ''المرزم'' (ببر شیر) درج ہے۔ محققین نے نیلگوں سفید رنگ کا سبب درجہ حرارت کو قرار دیا ہے جو سورج سے چار گنا زیادہ بتایا جاتا ہے۔

★ النطاق (Alnitak) کمر بند:

دورِ حاضر کی تحقیق کے مطابق یہ تین ستاروں پر مشتمل نظام (Triple Star system) ہے اور تینوں کا رنگ نیلا ہے۔ ستاروں کے رنگ سے متعلق جدید تحقیق بتاتی ہے کہ درجہ حرارت اور مقدارِ مادہ بڑھنے سے ستاروں کا رنگ بھورے سرخ سے سرخ، سرخ سے نارنجی، نارنجی سے پیلا، پیلے سے سفید، سفید سے نیلگوں سفید اور نیلگوں سفید سے نیلا ہو جاتا ہے۔

★ النظم (Alnilam) موتی پرونے کا دھاگا:

الجبار گروہ میں درمیانی تین ستاروں کی بیلٹ کا وسطی ستارہ بتایا جاتا ہے۔ رنگ نیلگوں سفید ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اس کی روشنی کی شدت سورج کی روشنی سے دو لاکھ 75 ہزار گنا اور درجہ حرارت سورج سے تقریباً ساڑھے چار گنا زیادہ ہے۔

★ المنطقہ (Mintaka) علاقہ یا خط:

جدید تحقیقات کی رو سے تین سے زائد ستاروں کے باہمی نظام پر مشتمل ہے اور مجموعی طور پر نیلگوں سفید رنگ کا تاثر دیتا ہے۔

★ رجل الجبار (Rigel) الجبار کا پیر:

''الجبار'' جھرمٹ میں روشن ترین ستارہ ہے اور مادی آنکھوں سے نظر آنے والے ستاروں میں ساتویں نمبر پر ہے۔ اسے پہلے ایک ستارہ سمجھا جاتا تھا۔ بعد میں کہا گیا کہ چار ستاروں پر مشتمل ہے۔ ماہرینِ فلکیات کا کہنا ہے کہ ''رجل الجبار'' سورج سے تقریباً ایک لاکھ 20 ہزار گنا روشن، حجم میں 74 گنا بڑا اور کمیت میں 22 گنا زیادہ ہے۔

صبح دم دروازۂ خاور کھلا
مہر عالم تاب کا منظر کھلا
خسرو انجم کے آیا صرف میں
شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا
وہ بھی اک سیمیا کی سی نمود
صبح کو راز مہ و اختر کھلا
ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا
(کلام: مرزا اسداللہ خاں غالبؔ)

محققین نے جو اعداد و شمار دیئے ہیں ان میں سے بیش تر مفروضات پر قائم ہیں۔

اگلے شمارے میں آپ پڑھیں گے:

★ ستاروں کی تخلیق کیسے ہوتی ہے؟
★ کیا ستارے باتیں کرتے ہیں؟
★ ستاروں کے گرد سیارے کیسے تخلیق پاتے ہیں؟
★ روحانی ماہرین اس حوالے سے کن اسرار سے پردہ اٹھاتے ہیں؟

(قسط: ۱)

★ ★ ★ ★

# سرورق کی تشریح

بالغ نیلی وہیل کی لمبائی تقریباً 29.9 میٹر اور وزن 173 ٹن یا اس سے زیادہ ہے۔

غفور الرحیم اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

''اور یقیناً یونسؑ بھی رسولوں میں سے تھا۔ یاد کرو جب وہ ایک بھری کشتی کی طرف بھاگ نکلا، پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوا اور اس میں مات کھائی۔ آخر کار مچھلی نے اسے نگل لیا اور وہ ملامت زدہ تھا۔ اب اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو روزِ قیامت تک اسی مچھلی کے پیٹ میں رہتا۔ آخر کار ہم نے اسے بڑی سقیم حالت میں ایک چٹیل زمین پر پھینک دیا اور اس پر ایک بیل دار درخت اگا دیا۔''

(الصّٰفّٰت: ۱۳۹۔۱۴۶)

مچھلی نے حضرت یونسؑ کو سالم نگل لیا اور وہ ہوش وحواس کے ساتھ مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہے یعنی بے ہوش یا بے خبر ہرگز نہیں ہوئے۔ قرآن کریم کے مطابق مچھلی کے پیٹ میں آپ نہ صرف خود کو ملامت کر رہے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور ندامت کا اظہار اور استغفار مسلسل جاری تھا۔

''نہیں ہے کوئی معبود مگر تو۔ پاک ہے تیری ذات، بے شک میں نے خود پر ظلم کیا ہے۔''

(الانبیآء: ۸۷)

پیٹ اندھیری کوٹھڑی ہے جہاں روشنی کا بظاہر کوئی ذریعہ یا بندوبست موجود نہیں۔ البتہ عملِ تنفس کے دوران ہوا ضمنی طور پر پیٹ میں داخل اور خارج ہوتی رہتی ہے جس سے عام فہم یا مادی سائنس کو توجیہ ملتی ہے کہ حضرت یونسؑ کے تنفس کا سلسلہ مچھلی کے پیٹ میں کس طرح برقرار رہا۔ تجسس تلاش کرتا ہے،

۱۔ اس مچھلی کا تعلق کس نسل یا نوع سے ہے جو آدم زاد کو سالم نگل سکتی ہے ــــ؟

۲۔ وہ کون سی مچھلی ہے جس کے اندر اتنی گنجائش ہے کہ آدم زاد اس کے پیٹ میں دم گھٹنے یا معدے کی دیواروں کے شدید دباؤ سے محفوظ رہے ــــ؟

سمندر کے اندر کی دنیا کا کھوج لگانے والے محققین برملا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم صرف سمندر کے اندر مخلوقات اور عجائبات کے پانچ فی صد سے بھی کم حصے سے واقف ہو سکے ہیں۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ حضرت یونسؑ

کو مچھلی کی ایسی قسم نے نگلا جو کہا جاتا ہے کہ ابھی تک دریافت نہیں ہوسکی۔

معلوم انواع میں سے وہیل کا خاندان سمندر میں جسامت میں سب سے بڑا ہے۔

محققین کا خیال ہے کہ وہیل خاندان دراصل ممالیہ جانور ہیں جنہوں نے سمندر کو اپنا مسکن بنالیا ہے اور ان کے اجسام مچھلی نما ہوگئے ہیں۔ محققین کے پاس اس مفروضے کا ثبوت بہرحال موجود نہیں ہے کہ ان ممالیہ جانوروں کے اجسام مچھلی نما کس طرح ہوئے اور حقیقت میں ایسا ممکن ہے یا نہیں۔

وہیل خاندان کے علاوہ کسی معلوم سمندری جانور کے پیٹ میں اتنی گنجائش موجود نہیں ہے کہ اس میں نوع آدم کا ایک فرد گھٹن کے بغیر زندہ یا چبائے جانے سے محفوظ رہے۔

قرآن کریم میں بیان کردہ لفظ ''حوت'' ہر اس سمندری مخلوق کا احاطہ کرتا ہے جو اپنی حیات کے لئے سمندر کو مستقل مسکن بناتی ہے یعنی amphibians (خشکی اور تری دونوں میں رہنے والے جانور) اس میں شامل نہیں۔

عام مچھلیوں میں گلپھڑوں (gills) کا میکانزم موجود ہوتا ہے جس سے وہ سانس لینے کے لئے پانی سے آکسیجن کشید کرتی ہیں لہٰذا انہیں پانی سے باہر آنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اس نوع کی سب سے بڑی قسم وہیل شارک کہلاتی ہے۔ یہ عام شارک کی طرح خون خوار اور گوشت خور نہیں بلکہ پانی میں موجود غذائی ذرّات اور انتہائی چھوٹی آبی مخلوق کو بطور غذا استعمال کرتی ہے۔ اس مچھلی کے منہ کا دہانہ بہت بڑا ہوتا ہے لیکن گلے کی چوڑائی پانچ سات انچ سے زیادہ نہیں ہوتی کیوں کہ یہ غذائی ذرّات کو اپنے اندر موجود فلٹر نظام سے گزارتی ہے۔ لہٰذا اس مچھلی کے پیٹ میں آدم زاد کا داخل ہونا ممکن نہیں۔

اگر گلپھڑوں کے نظام سے لیس کسی مچھلی کے پیٹ میں آدم زاد داخل ہوجائے تو پیٹ میں ہوا کی آمد و رفت اس قدر سست اور قلیل ہوتی ہے کہ تنفس کا عمل جاری نہیں رہ سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ گلپھڑے مسلسل لیکن قلیل مقدار میں

آکسیجن کے سالمات کو پانی سے الگ کرتے رہتے ہیں اور ہوا کا عام سانس لینے کے انداز سے جسم کے اندر داخلہ یا اخراج نہیں ہوتا۔ وہیل چوں کہ ممالیہ گروہ کے جانور ہیں اس لئے ان میں گلپھڑے نہیں ہوتے اور یہ عام طریقے سے سانس لیتے ہیں یعنی سانس ایک دفعہ اندر جاتا ہے اور پھر باہر خارج ہوتا ہے۔

وہیل سانس لینے کے لئے سطح سمندر پر آتی ہے کیوں کہ وہ ہوا میں سانس لینے پر مجبور ہے۔ تنفس کے لئے سر پر سوراخ (blowhole) ہوتا ہے۔ وہیل کی تمام اقسام میں سانس لینے کا دورانیہ مختلف ہے۔ کچھ اقسام 60 منٹ یا اس سے کم اور بعض 90 منٹ تک سانس روک سکتی ہیں۔ اس کے بعد سانس لینے کے لئے دوبارہ سطح پر آتی ہیں۔ لہٰذا وہیل کے پھیپھڑوں کے ساتھ ساتھ وافر ہوا ضمناً پیٹ میں داخل ہوتی ہے۔

وہیل کی اقسام میں Baleen (بلینی) نسل جسامت میں سب سے بڑی ہے۔ اس نسل کی ایک قسم نیلی وہیل، محققین کے مطابق کرۂ ارض پر پائے جانے والے خشکی اور تری کے معلوم جانوروں میں سب سے بڑی جسامت رکھتی ہے۔ بالغ نیلی وہیل کی لمبائی تقریباً 29.9 میٹر اور وزن 173 ٹن یا زیادہ ہے۔

بلینی نسل کی وہیل جسامت میں اتنی بڑی ہیں کہ ان کے پیٹ میں ایک سالم آدم زاد بآسانی سما سکتا ہے۔ خصوصاً اگر یہ نیلی وہیل ہو تو اس کے معدے میں کافی گنجائش موجود ہے۔ چناں چہ بلینی اور ان میں خاص طور پر نیلی وہیل کے حوالے سے غالب گمان ہے کہ اللہ کے نبی حضرت یونسؑ کو نگلنے والا آبی جانور یہی تھا۔

حضرت یونسؑ تقریباً تین دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ وہیل کے معدے میں انہضام سے متعلق تیزابی رطوبات سے ان کا جسم متاثر ہوا اور کھال تقریباً گل گئی تھی۔ حضرت یونسؑ کی معافی قبول ہوئی۔ مچھلی نے انہیں مقررہ وقت تک پیٹ میں رکھنے کے بعد اگل دیا۔

> ''اور مچھلی والے کو بھی ہم نے نوازا۔ یاد کرو جب کہ وہ بگڑ کر چلا گیا تھا اور سمجھا تھا کہ ہم اس پر گرفت نہ کریں گے آخر کو اس نے تاریکیوں میں سے پکارا۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر تو، پاک ہے تیری ذات، بے شک میں نے خود پر ظلم کیا ہے۔ تب ہم نے اس کی دعا قبول کی اور غم سے اس کو نجات بخشی اور اس طرح ہم مومنوں کو بچا لیا کرتے ہیں۔'' (الانبیآء: ۸۷۔۸۸)

اللہ تعالیٰ نے بیل نما درخت یا پودے سے حضرت یونسؑ کو شفا عطا فرمائی۔ جسم پر نئی کھال آئی۔ اللہ کے حکم سے آپ واپس اپنی قوم میں تشریف لے گئے۔ (ح۔ا۔پ)

حماد علی شاہ

# سپاہی پرندے اور چوپائے

بہادر پرندے نے ہمت نہیں ہاری، زخمی ہونے کے باجود دوبارہ اڑا اور 25 منٹ میں 25 میل کی مسافت طے کر کے منزل پر پہنچا۔

آدمیوں کی جنگ لڑنے میں حیوانات کا بڑا حصہ رہا ہے۔ ہزاروں حیوانات شدید تکالیف اٹھا کر موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ تاریخ جنگوں میں حیوانات کی شمولیت کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔

مضمون میں ان حیوانات کا ذکر ہے جن سے جنگِ عظیم اول میں کام لیا گیا۔ یہ جنگ 1914ء سے 1918ء تک جاری رہی۔

جنگِ عظیم اول میں تقریباً ایک کروڑ 60 لاکھ (1.6 ملین) جانور استعمال ہوئے۔ غیر معمولی تعداد ظاہر کرتی ہے کہ جنگ کتنے بڑے پیمانے پر لڑی گئی۔

سوال ہے کہ جب جانوروں کی تعداد غیر معمولی ہے تو جنگ میں آدمی کتنے ہوں گے اور نقصان کتنا ہوا ہوگا؟

حیوانات میں گھوڑے، خچر، گدھے، بیل، اونٹ، کتّے، بلی، کبوتر اور canary* شامل تھے۔ کئی جانوروں اور پرندوں کو خدمات کے اعتراف میں تمغوں سے نوازا گیا۔ انہیں رینک دیئے جاتے تھے جیسے سارجنٹ، سارجنٹ میجر، کارپورل وغیرہ۔ جانوروں کو اس کے نگران افسر سے بڑا رینک دیا جاتا تھا تاکہ افسر کو یاد رہے کہ جانوروں سے مہذب رویہ رکھنا ہے۔

جنگِ عظیم اول میں گھوڑوں، گدھوں، خچروں، بیلوں اور اونٹوں سے بار برداری کا کام لیا گیا۔ یہ سپاہیوں کے لئے غذا، پانی، اسلحہ اور طبی سامان لاتے اور زخمیوں کو محفوظ مقام پر منتقل کرتے تھے۔

گھوڑے جنگ میں براہِ راست شریک ہوئے اور بڑی تعداد میں مرے۔ جنگ میں گیس ماسک پہنے ہوئے گھوڑوں کی تصاویر انٹرنیٹ پر ہیں۔

کبوتروں اور کتّوں سے پیغام رسانی میں مدد لی گئی۔ کناریوں سے زہریلی گیس کا سراغ لگانے اور بلّیوں کو خندقوں میں چوہے پکڑنے کے لئے رکھا گیا۔ یہی نہیں ــــ مذکورہ جانوروں کے علاوہ بندر، بھالو اور شیر کو بطور پالتو جانور سپاہیوں کا حوصلہ بلند کرنے اور ان میں بہادری پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

* Canary (زرد رنگ میں رنگی ہوئی چڑیا)

1914ء میں جنگ شروع ہوئی تو بتایا جاتا ہے کہ صرف برطانیہ کی فوج میں ابتدائی طور پر تقریباً25 ہزار گھوڑے تھے ۔ جنگ کا دائرہ پھیلنے سے ان کی تعداد میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوا ۔مختلف ممالک سے گھوڑے منگوائے گئے جن میں شمالی اور جنوبی امریکا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، ہندوستان، جنوبی افریقا، اسپین اور پرتگال شامل تھے۔ جنگ سے قبل گھوڑوں کو تربیت دینے اور سدھانے کی ضرورت تھی تاکہ تلوار اور بندوقوں کی آواز اور توپوں کی گرج سے خوف زدہ نہ ہوں۔ بیش تر گھوڑے تربیت نہ ہونے کی وجہ سے جنگ کے لئے موزوں نہیں تھے لہٰذا نقصان زیادہ ہوا۔

گھوڑوں کے علاوہ بار برداری میں خچروں سے غیر معمولی کام لیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ دورانِ جنگ تقریباً ڈھائی لاکھ خچر دوسرے ممالک سے یورپ بھیجے گئے ۔ خچر کی فطرت میں سرکشی، شرارت اور محنت کا ملا جلا رجحان ہے۔ خچر — گھوڑوں کی بہ نسبت، جنگ کی سرگرمیوں کی طرف سے لاپروار ہتا ہے اس لئے خوف اور دہشت کم محسوس کرتا ہے۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ خچر میں گھوڑے کے مقابلے میں گرمی اور سردی برداشت کرنے کی سکت زیادہ ہے۔

ہزاروں سالوں سے جنگوں میں استعمال ہونے والے حیوانات میں ایک اونٹ ہے۔ اونٹ کی تیز رفتاری، ماحول سے مطابقت پیدا کرنے اور ریگستان میں بآسانی سفر کرنے کی صلاحیت کو فرانسیسیوں نے بخوبی محسوس کیا۔ کہا جاتا ہے کہ نپولین نے الجیریا پر حملے میں اونٹوں سے بہت مدد لی۔

اونٹ سوار کے علاوہ ایک ہفتے کے راشن سمیت دن میں 70 سے 80 میل تک سفر کرسکتا ہے۔ گھوڑے کی طرح لگام کی ضرورت نہیں ہوتی، نکیل کے اشاروں پر چلتا ہے ۔ دیکھنے میں جتنا مسکین نظر آتا ہے، عمل میں اس کے برعکس ہے۔ کہتے ہیں کہ اونٹ سے خواہ کتنا اچھا سلوک کریں، مالک سے مانوس نہیں ہوتا۔ (بزرگوں سے روایت ہے کہ اونٹ اپنی ماں کو پہچانتا ہے۔)

قرون وسطیٰ میں کتّوں کو زرہ پہنا کر جنگ میں بھیجا جاتا تھا۔ شاہ انگلستان ہنری ہشتم نے فرانس سے جنگ کے زمانے میں شکاری کتّوں کی کثیر فوج تیار کی تھی۔

> اکثر لوگ جانتے ہیں کہ بیلجیم میں کتّے گاڑیوں کو کھینچنے کے لئے استعمال کئے جاتے تھے لیکن یہ بات زیادہ مشہور نہیں ہوسکی کہ جنگِ عظیم میں کتّے چھوٹی چھوٹی توپیں کھینچ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے تھے۔

پہلی جنگِ عظیم سے قبل تقریباً20 ہزار کتّوں کو جنگ کی تربیت دی گئی تھی۔ ان سے پیغام رسانی کا کام لیا جاتا تھا— زخمی سپاہی کو امداد پہنچاتے اور سونگھ کر بتا دیتے تھے کہ دشمن کون ہے۔

اس زمانے میں جنگ کے دوران عموماً تین قسم کے کتّے Collies، Airedale Terrier اور

Bloodhound زیادہ استعمال کئے جاتے تھے۔انہیں باقاعدہ تربیت دی جاتی تھی۔ پانی لانے، زخمیوں کو تلاش کرنے، مرہم پٹی اور دوسری چیزیں لانے لے جانے کا کام سکھایا جاتا تھا۔ سامان پیٹھ پر باندھ دیا جاتا۔ رات کے وقت وہ سونگھنے کی حس کی مدد سے زخمیوں کا پتہ لگانے میں فوجیوں کی مدد کرتے تھے اور سونگھ کر صف میں سے دشمن کو الگ کر دیتے تھے۔

بلڈ ہاؤنڈ کو قرونِ وسطیٰ سے سراغ رسانی کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔

ایک کتّا اسٹبی — جس کا تعلق Pitbull نسل سے ہے، پہلی جنگِ عظیم کے ہیرو میں شمار کیا گیا۔ یہ واحد کتّا تھا جسے جنگی میدان میں خدمات کی وجہ سے ترقی دے کر سارجنٹ کا عہدہ ملا۔ اس نے جنگ میں اٹھارہ مہینے خدمات دیں۔ 17 لڑائیوں میں حصہ لیا۔ یونٹ میں فوجیوں کا حوصلہ بڑھانے کے ساتھ مستعدی سے زخمی سپاہیوں کا پتہ لگا لیتا، زہریلی گیس کا حملہ ہوتا تو فوج کو باخبر کرنا بھی سیکھ لیا تھا اور ایک مخالف ملک کے جاسوس کو پکڑنے کا سہرا بھی اس کے سر جاتا ہے۔

پیغام رسانی کی بات ہو اور کبوتر کا تذکرہ نہ کیا جائے کیسے ممکن ہے۔ تقریباً ہر دور میں کبوتروں سے خفیہ پیغام رسانی کا کام لیا گیا ہے۔ لشکر کے ساتھ کبوتروں کی خاصی تعداد موجود ہوتی تھی۔ جواب میں مخالف فوج نے باز پالنا شروع کئے اور پیغام رساں کبوتروں کو مارنے کی تربیت دی۔

بتایا جاتا ہے کہ فرانس اور جرمنی کی جنگ کے زمانے میں کبوتر غیر معمولی طور پر مفید ثابت ہوئے۔ جب پیرس کا محاصرہ کیا گیا تو کبوتروں کے ذریعے ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ سرکاری خطوط اور تقریباً دس لاکھ خانگی خطوط مختلف مقامات پر بھیجے گئے۔

جنگ کے زمانے کے بعض کاغذات اور اخبارات کے مضامین کبوتروں کے ذریعے دوسرے مقام پر پہنچائے جاتے تھے۔ اندراج کیا جاتا تھا کہ یہ پیام کبوتر کے ذریعے موصول ہوا ہے۔

کبوتروں کی یادداشت اور گھر پہچاننے کی صلاحیت کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے — ایک مرتبہ جنگ کے زمانے میں کسی محصور شہر سے ایک شخص نے کبوتر کے ذریعے پیام روانہ کیا۔ وہ کبوتر دشمن کے افسر کے ہاتھ آ گیا اور کئی سال قید رہا۔ جب آزاد ہوا تو سیدھا گھر واپس پہنچا۔

تمام کبوتر پیام لے جانے کے لئے استعمال نہیں کئے جاتے۔ خاص قسم کے کبوتر ہوتے ہیں جو نامہ بر کہلاتے ہیں۔ ان کی رفتارِ پرواز تقریباً 50 میل فی گھنٹا ہے۔ گو کہ یہ اوسط پرواز سے زیادہ ہے لیکن زیادہ مدت تک یہ رفتار قائم نہیں رکھی جا سکتی۔ دشمن فوج کبوتروں پر نظر پڑتے ہی نشانہ لیتی۔ کبوتروں کے ذریعے پیغام رسانی ضرورت کے ساتھ خطرہ بھی تھا۔ گولی لگنے سے پرندہ گرتا تو دشمن خفیہ پیغام سے واقف ہو جاتا تھا۔

پیغام رساں کبوتر کی اہمیت مواصلاتی نظام ہونے کے باجود ناگزیر تھی۔ اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی فوج کی ایک بٹالین جس میں تقریباً 550 سے زیادہ سپاہی تھے، نشیبی علاقے میں پھنس گئی۔ کھانے پینے کا سامان اور بارود ختم ہوگیا۔ دشمن کی گولیوں کے علاوہ وہ اپنی فوج کی گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے کیوں کہ فوج ساتھیوں کی اس مقام پر موجودگی سے بے خبر تھی لہٰذا بڑی تعداد میں جانی نقصان ہوا۔ تقریباً 200 فوجی مدد کے انتظار میں تھے۔ پیغام پہنچانے کے لئے جسے بھیجا جاتا، گولیوں کی زد میں آجاتا۔ ایسی صورت حال میں زندہ بچنے کی راہ نظر نہیں آتی تھی۔ پھر کبوتر کے ذریعے پیغام بھیجا گیا جس میں تحریر تھا،

''بہت سے زخمی ہیں، ہم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔''

کبوتر گولی کی زد میں آگیا۔

دوسرے کبوتر کی ٹانگ پر رقعہ باندھ کر روانہ کیا۔

''بندے تکلیف میں ہیں۔ مدد بھیجی جاسکتی ہے؟''

یہ کبوتر بھی گولی کا نشانہ بن گیا۔

پھر چیرامی نامی کبوتر کی باری آئی۔ بائیں پنجے پر رقعہ باندھا گیا جس میں لکھا تھا،

"We are along the road parallel to 276.4. Our own artillery is dropping a barrage directly on us. For heaven's sake, stop it."

ترجمہ: ہم سڑک کے متوازی، پوزیشن 276.4 پر پھنسے ہوئے ہیں۔ ہمارا توپ خانہ ہم پر گولے برسا رہا ہے۔ اللہ کے واسطے، اس کو روکو!

چیرامی پھنسے ہوئے فوجیوں کی آخری امید تھا۔ جیسے ہی جھاڑیوں میں سے نکل کر اڑا، مخالف فوج نے گولیاں برسانا شروع کردیں۔ وہ بے خوفی سے گولیوں کے درمیان سے نکلتا چلا گیا۔ پھر ایک گولی سینے پر لگی اور چیرامی گر گیا۔ مدد کے منتظر سپاہی دم بخود تھے کیوں کہ چیرامی ان کی آخری امید تھا۔

بہادر پرندے نے ہمت نہیں ہاری، زخمی ہونے کے باجود دوبارہ اڑا اور 25 منٹ میں 25 میل کی مسافت طے کرکے منزل پر پہنچا۔ جس حالت میں وہ پہنچا، تفصیل یہ ہے — سینے پر گولی کا زخم تھا، ایک آنکھ ضائع ہوچکی تھی اور جس پنجے پر رقعہ باندھا گیا تھا وہ لٹک رہا تھا۔ چیرامی کبوتر کی وجہ سے 194 فوجیوں کی جان بچی۔ اسے بہادری کے سبب فرانس کے اعلیٰ فوجی اعزاز Croix de Guerre سے نوازا گیا۔

کبوتروں سے متعلق دلچسپ واقعہ پڑھئے۔ اس کا تعلق جنگ سے نہیں ہے۔ دوڑ میں حصہ لینے والا ایک کبوتر جس کا نام کنگ آف روم تھا، 1913ء میں اٹلی کے دارالحکومت روم سے ایک ہزار ایک (1,001) میل کا سفر طے کرکے انگلستان کے شہر ڈربی پہنچا اور فاتح قرار پایا۔ پرندے کا شناختی کارڈ نمبر جسے رنگ نمبر کہتے ہیں، NU1907DY168 تھا۔ یہ چار لی

ہڈسن نامی بندے کی ملکیت تھا۔ پرندے کی موت پر ہڈسن نے اس کا جسم ڈربی میوزیم اور آرٹ گیلری کے حوالے کیا۔ کنگ آف روم (کبوتر) پر گانے لکھے گئے، بچوں کی کتابوں میں ذکر کیا گیا۔ 1980ء میں کنگ آف روم اور اس کے مالک چارلی ہڈسن کے بارے میں ایک گانا بنا جس میں کبوتروں کی دوڑ کے متعلق خطرات کی نشان دہی ہے۔ ترجمہ:

بڑی دوڑ کے دن ایک بڑا طوفان آیا
ایک ہزار پرندے لے اڑا
جنہیں پھر کبھی نہیں دیکھا گیا۔

جنگِ عظیم کے زمانے میں نامہ بر کبوتر، خشکی اور سمندر دونوں پر پیام رسانی کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ ساحلِ سمندر سے بہت دور جہازوں اور کشتیوں سے ملاح کبوتروں کے ذریعے گھروں کو پیام روانہ کرتے تھے۔ جرمنی اور برطانیہ نے پیغام رساں کبوتروں کے لئے لکڑی سے گھر نما گاڑی بنائی جن میں 60 سے 70 پرندے رکھنے کی گنجائش تھی۔

---

رہی بات ذہین پرندے کناری کی ــــ یہ پرندے آبدوز کشتیوں میں رکھے جاتے تھے اور بہت حساس تھے۔ جس جگہ سرنگیں بچھائی جاتی تھیں، وہاں ہوا میں کثافت اور زہریلی گیسیں محسوس کر کے آواز سے ملاح کو آگاہ کرتے تھے تاکہ حالات خراب ہونے سے قبل وہ محفوظ مقام پر چلے جائیں۔ اس کام کے لئے چوہے بھی استعمال ہوئے۔

جنگِ عظیم اول میں قاز (بڑی بطخ) بھی استعمال کی گئی۔ روایت ہے کہ قدیم زمانے میں یہی قاز، سلطنت روم کو بچانے کا سبب بنی۔ جب قوم گال (Gaul) نے روم پر حملہ کیا تو ان کے چند سپاہی دارالسلطنت کی پہاڑی پر چڑھے۔ انہیں چوٹی پر پہنچتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا۔ ایک سپاہی فصیل کی طرف بڑھنے لگا تو قاز کی نظر پڑ گئی اور شور کرنے لگی۔ شور سن کر رومی سپاہی اوپر چڑھا اور دشمن فوج کے سپاہی کو مار دیا۔

---

اگرچہ پہلی جنگِ عظیم میں ہاتھیوں سے مدد نہیں لی گئی لیکن جنگوں میں جانوروں کا ذکر ہاتھی کے بغیر ادھورا ہے۔ فی زمانہ جنگوں میں ہاتھی استعمال نہیں ہوتے لیکن قدیم زمانے میں یہ حیوان جنگ کا اہم حصہ تھے۔ ان کا اہم کام دشمن کی صفوں میں داخل ہو کر انہیں خوف زدہ کرنا تھا۔ ہاتھی جس یونٹ کا حصہ ہوتے تھے، اسے elephantry کہا جاتا تھا۔ یوں سمجھ لیں کہ ان کا استعمال بطور ٹینک ہوتا تھا۔ موٹی کھال پر جب تک تلوار لگتی، وہ تلوار مارنے والے کو کچل چکا ہوتا۔

نویں صدی میں گن پاؤڈر کی ایجاد کے بعد جنگ میں ہاتھیوں کا استعمال کم ہونا شروع ہوا اور سپاہی ہاتھیوں کو مزدوری اور رسومات و تقریبات میں استعمال کیا جانے لگا۔ جنگِ عظیم دوم تک ہاتھیوں کا استعمال سامان کی نقل و حمل تک محدود ہو گیا۔ میانمار میں باغیوں

کا ایک گروہ آج بھی انہیں استعمال کرتا ہے۔

یونانی مؤرخ پلوٹارک (Plutarch) کہتا ہے کہ ہاتھیوں کو شکست خوردہ فوج کو پیروں تلے روندنے کی تربیت دی جاتی تھی۔ نقصان سے محفوظ رکھنے کے لئے جسم لوہے کی موٹی پلیٹوں سے بنی زرہ سے ڈھک دیا جاتا تھا۔ ہاتھیوں کو جنگ میں شامل کرنے کا مقصد دشمن کے گھوڑوں کو خوف زدہ کرنا تھا۔

جنگ میں ہاتھیوں کا ذکر آتا ہے تو ذہن میں ابابیل آجاتی ہے۔ 1400 سال قبل یمن کے بادشاہ ابرہہ نے خانہ کعبہ پر حملے کے ارادے سے مکہ کی طرف پیش قدمی کی تو لشکر میں ہاتھی شامل تھے۔ فوج اور ہاتھی دونوں چڑیا سے چھوٹے پرندے ابابیل کے کنکروں کا نشانہ بنے۔ ابرہہ اور اس کی فوج کا جو حال ہوا، قرآن کریم میں اس پر پوری سورہ ہے۔

''تم نے دیکھا نہیں، تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس نے ان کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا؟ اور ابابیل پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے جو ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے۔ پھر ان کا یہ حال کر دیا جیسے کھایا ہوا بھس۔'' (الفیل: ۱۔۵)

ٹنوں وزنی ہاتھی ابابیل کے پھینکے گئے کنکروں سے کھائے ہوئے بھس کی طرح ہو گیا— جھاگ بن گیا۔ کنکر پھینکنے سے چیچک پھوٹ جاتی تھی اور کنکر باجرے کے دانے سے چھوٹا تھا۔ کیا ہم باجرے سے چھوٹے کنکر کو ایٹم بم کا نام نہیں دے سکتے—؟

## بوسیفالوس

سکندر اعظم کا گھوڑا Bucephalus (بوسیفالوس) تاریخ کے مشہور سپاہی جانوروں میں سے ایک ہے۔ یونانی مؤرخ پلوٹارک کے مطابق مقدونیہ کے سکندر نے 12 سال کی عمر میں باپ سے شرط میں گھوڑا جیتا تھا۔ گھوڑے کے سوداگر فیلونیکس تھیسیلین نے بوسیفالوس بادشاہ فلپ دوم کو انتہائی مہنگے داموں فروخت کے لئے پیش کیا۔ مشہور تھا کہ اس گھوڑے کو پالنا ناممکن ہے اس لئے بادشاہ فلپ دوم نے انکار کر دیا مگر سکندر نے خریدنے میں دلچسپی ظاہر کی اور کہا کہ اگر وہ گھوڑے کو رام کرنے میں ناکام ہوا تو رقم خود ادا کرے گا۔ باپ نے بیٹے کو موقع دیا اور بیٹے نے گھوڑے کو تابع کر کے سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ گھوڑا اپنے سائے سے ڈرتا تھا۔ سکندر نے گھوڑے سے بہت پیار سے بات کی اور ڈر دور کرنے کے لئے ایک بار اس کا چہرہ سورج کی طرف کر دیا تا کہ وہ اپنا سایہ نہ دیکھ سکے۔ سکندر نے دس سال بوسیفالوس پر براعظم ایشیا میں سواری کی یہاں تک کہ 326 ق م میں Hydaspes (موجودہ دریائے جہلم کے کنارے) کے مقام پر گھوڑا جنگ میں زخمی ہوا اور مر گیا۔ سکندر کو عزیز گھوڑے کی موت کا بہت رنج تھا۔ جب اس نے اگلے فوجی اڈے اور قصبے کی بنیاد رکھی تو نام وفادار گھوڑے کے نام پر رکھا۔ جنگِ ہڈاسپیس سکندر اعظم اور راجا پورس کے درمیان لڑی گئی۔ راجا پورس کی فوج نے بھرپور مقابلہ کیا تاہم سکندر کو فتح ہوئی اور علاقے پر یونانیوں کی حکومت ہوئی۔

# ایثار ــــ ایثار کیا ہے؟

دھاگوں کی فیکٹری میں مشین کے کچھ پرزے الٹے چلنے لگیں تو دھاگے الجھتے ہیں اور مشین رک جاتی ہے۔ ہاں! اگر پرزے نظام کے ساتھ چلیں، فرماں بردار بن کر اتحاد اور اتفاق سے پروگرام کے مطابق کام کریں تو مشین چلتی رہتی ہے اور شے عمدہ تیار ہوتی ہے۔

---

راہ نما نے بتایا کہ ــــ دیکھو ہر وہ شے جو نظر آتی ہے اور نظر نہیں آتی، زندہ ہے اور شعور رکھتی ہے۔ کائنات میں ہر شے دوسری شے کے کام آتی ہے اور نظام جاری رہتا ہے۔

جی اچھا۔ الفاظ پر غور کئے بغیر ادب سے کہا۔

گھر جانے کا وقت ہوا تو فرمایا، جو بتایا گیا ہے اس پر غور کرنا فرماں برداری ہے۔

مختصر جملوں میں بات گہری تھی۔

پے در پے ایسے حالات بنے جیسے سبق دینے کے بعد اب سبق کی مشق کرائی جا رہی ہو۔

رات کے دو بجے داڑھ میں شدید درد اٹھا۔ یاد آیا کہ نانی اماں لونگ پیس کر سفوف داڑھ میں رکھنے کا کہتی تھیں اور درد ٹھیک ہو جاتا تھا۔ وہ باورچی خانے میں گئی اور آدھی رات کو پتھر کی کونڈی میں لونگ کا سفوف بنایا۔ نانی اماں کے نسخے سے آرام ملا۔

ذہن نے متوجہ کیا کہ دیکھو! لونگ ریزہ ریزہ ہو کر تمہارے کام آ رہی ہے۔ خود کو فنا کر کے تمہیں سکون پہنچا رہی ہے۔ ذہن سے پوچھا، فنا ہونے سے لونگ کو کیا فائدہ ــــ؟

ناشتا بنا کر اماں کے پاس بیٹھی۔ وہ بھنڈی کاٹ رہی تھیں۔ ہاتھ تیزی سے حرکت کر رہے تھے اور بھنڈی چھوٹے چھوٹے گول دائروں میں تقسیم ہو رہی تھی۔ تعجب ہوا کہ بھنڈی کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہے جیسے وہ بخوشی فنا ہونے کے لئے تیار ہے۔

آخر فنا ہونے سے بھنڈی کو کیا فائدہ ــــ؟

راہ نما کی بات یاد آئی کہ کائنات میں ہر چیز دوسری چیز کے کام آ رہی ہے۔ غور کیا کہ جب سے یہ بات سنی ہے، نئے مفہوم منکشف ہو رہے ہیں۔ جو باتیں معمولی نظر آتی تھیں، غیر معمولی بن گئی ہیں۔ ہر شے ایثار کر رہی ہے۔ کیا کسی کے کام آنے کے لئے خود کو فنا کرنا ضروری ہے ــــ؟ آخر فنا ہونے میں شے کو کیا فائدہ؟

سوال نے بے چین کر دیا۔

بے چینی بڑھی اور وہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ کیا میری بے چینی کی وجہ یہ ہے کہ میں فنا ہونا نہیں چاہتی؟ مٹی کے ذرّات بننے کے عمل سے گزرنا نہیں چاہتی؟

وہ جانتی تھی کہ فنا ہونے کا تعلق ''میں'' سے ہے اور ''میں''، ختم کرنا آسان نہیں۔

تجھ کو مجھ سے کون سا بے باق کرنا ہے حساب
اضطراب اے اضطراب اے اضطراب اے اضطراب

راہ نما نے بتایا — لاکھوں کی مشین میں سوئی جتنا پرزہ نہ لگے تو مشین رک جاتی ہے۔ کائنات کا نظام مشین کی طرح ہے اور ہر فرد — جی ہاں ہر فرد مشین کا چھوٹا سا پرزہ ہے۔ چھوٹا مگر اہم پرزہ! جو رک جائے یا خود ساختہ بندش طاری کرلے تو اس طرز عمل سے کائناتی نظام پر فرق نہیں پڑتا۔ نظام میں پرزے کا متبادل موجود ہے۔ سوئی ٹوٹتی ہے، دوسری سوئی آجاتی ہے۔ مشین خراب ہوجائے تو نئی مشین نصب کر دی جاتی ہے۔ خود ساختہ بندشوں سے پرزے (فرد) کے، کائنات سے ربط میں، خلا واقع ہوتا ہے۔ خلا بوجھ بن کر سکون سے محروم کر دیتا ہے۔ یاد رکھو! فرد کا نظام رکتا ہے لیکن کائنات کا نظام جاری رہتا ہے۔

چہرے پر تشویش در آئی۔ سوال کیا کہ دنیا ایسے لوگوں سے بھری ہوئی ہے جو نظامِ کائنات پر غور نہیں کرتے۔ وہ اپنے مقررہ وقت پر دنیا سے رخصت ہوتے ہیں پھر خلا کہاں واقع ہو رہا ہے اور کائنات سے ان کا ربط کیسے متاثر ہوا — ؟

راہ نما نے وضاحت کی، اگر تمہاری یادداشت متاثر ہوجائے اور تم اماں ابا کو نہ پہچانو تو اماں ابا تمہارا خیال رکھیں گے لیکن تم ان سے دور ہوجاؤ گی کیوں کہ تمہارا ذہن اجنبی ہوجائے گا۔ جب آدمی فکری طور پر مفلوج ہوجائے تو وہ نظام پر بوجھ بن جاتا ہے۔ ایسا شخص سمجھتا ہے کہ میں زندگی گزار رہا ہوں لیکن غور کرو! زندگی اسے گزار رہی ہے۔ وہ بے مقصد زندگی گزار کر یہاں سے رخصت ہوجاتا ہے۔

پھر وہ لوگ کون ہیں جو مقصد کے تحت زندگی گزارتے ہیں؟ اس نے پوچھا۔

راہ نما نے سمجھایا کہ جن لوگوں کا ذہن سوچ بچار کی زمین ہوتا ہے، وہ بامقصد زندگی گزارتے ہیں۔ زمین میں بیج بویا جاتا ہے۔ بیج کی آبیاری ہوتی ہے۔ پھول پھل لگتے ہیں۔ پھولوں کی خوش بو سے ماحول مہکتا ہے اور پھلوں سے زبان کو شیرینی ملتی ہے۔

میں بھی ان لوگوں میں شامل ہونا چاہتی ہوں۔

کس نے روکا ہے۔ تم خود اپنی راہ میں رکاوٹ ہو۔ اردگرد کا مشاہدہ کرو۔ ظاہری آنکھوں سے سب جیتے ہیں، باطنی آنکھ سے دنیا دیکھو۔ یہاں موجود چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی ہر چیز کائنات کا حصہ ہے۔

کائناتی نظام کیا ہے — ؟ اس نے پوچھا۔

اس کو سمجھنے کے درجات ہیں۔ پہلے درجے پر یہ سمجھو

کہ ہر چیز دوسری چیز کے کام آ رہی ہے۔ درخت اپنا پھل خود نہیں کھاتے۔ دریا اپنا پانی خود نہیں پیتا۔ سورج سیاہ ہے لیکن زمین سے آنے والی روشنی دوسروں پر منعکس کرتا ہے اور خود سیاہ رہتا ہے۔ روزمرہ استعمال کی اشیا جنہیں تم بے جان، خاموش اور عام سمجھ کر صبح سے شام تک استعمال کرتی اور کھاتی پیتی ہو، کس قدر خاموشی سے خود کو تم پر نثار کرتی ہیں، تمہیں توانائی فراہم کر کے فنا ہو جاتی ہیں۔ آہ! کیسا ایثار ہے!

مضطرب ہو کر پوچھا، لونگ چھوٹا پرزہ ہے۔ جب چھوٹی سی لونگ خود کو فنا کرنے پر تیار ہے پھر میں کہاں کھڑی ہوں؟ کیسے پتہ چلے گا کہ میں کائنات کا کون سا پرزہ ہوں؟ رکا ہوا ہوں یا متحرک ہوں؟

راہ نما نے بتایا، متحرک ہونے کی دو طرزیں ہیں۔ دھاگوں کی فیکٹری میں مشین کے کچھ پرزے الٹے چلنے لگیں تو دھاگے الجھتے ہیں اور مشین رک جاتی ہے۔ ہاں! اگر پرزے نظام کے ساتھ چلیں، فرماں بردار بن کر اتحاد اور اتفاق سے پروگرام کے مطابق کام کریں تو مشین چلتی رہتی ہے اور شے عمدہ تیار ہوتی ہے۔ بیٹی! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم کس سمت میں حرکت کر رہی ہو، نظام کے موافق رخ پر یا مخالف سمت میں—؟

سمجھنے نہ سمجھنے کی کیفیت میں سر جھکا لیا۔

کچھ دیر سوچ میں گم رہنے کے بعد پھر سوال کیا۔

یہ بتائیں کہ کائناتی نظام میں بحیثیت پرزے کے میرا کردار کیا ہے—؟

راہ نما نے شفقت سے سمجھایا— بیٹی! جب ہم خود کو دوسروں سے الگ سمجھتے ہیں تو اس سوچ میں کائنات شریک نہیں ہوتی۔ اور جب خود کو ایک دوسرے کا حصہ سمجھتے ہیں تو کائنات شریک ہو جاتی ہے۔ تم اکیلی نہیں ہو۔ تمہارے ساتھ روشنی، پانی، رنگ، ہوا، حرارت، مٹی، مٹی سے بننے والی اشیا، جو کچھ زمین کے اندر، باہر اور فضا میں ہے، سب شامل ہیں۔ تم ان سے مل کر بنی ہو۔ جس رخ پر یہ چلتے ہیں، تم بھی وہ راستہ اختیار کرو۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے خود غرضی سے بے غرض ہونے تک سفر کرنا ہوگا۔ افراتفری و انتشار سے نکل کر ارتکاز اور سکون کی حالت میں آنا ہوگا۔ مصلحت ترک کر کے غیر جانب دار بننا ہوگا۔ غلط روایات سے بغاوت کر کے درست روایات اپنانی ہوں گی۔

غلط روایات—؟

جی ہاں! ہر روایت صحیح نہیں ہوتی اور ہر روایت غلط نہیں ہوتی۔ اسلاف کی مثال سامنے ہے۔ جن لوگوں نے نافرمانی کی، وہ گرد و غبار بن گئے اور جنہوں نے فرماں برداری کی وہ رہتی دنیا تک رہتے ہیں۔

ہر دور میں ان کا نام دہرایا جاتا ہے۔

ہر دور میں ان کے چاہنے والے موجود ہوتے ہیں۔

اور ہر دور میں ان کی حیات مشعلِ راہ ہے۔

رہا سوال کہ ایثار سے کیا فائدہ! جواب یہ ہے کہ فرماں بردار مخلوق فائدے کے لئے ایثار نہیں کرتی،

بس ایثار کرتی ہے۔ جس ہستی نے انہیں تخلیق کیا ہے، ایثار اس کے حضور فرماں برداری کا اظہار ہے۔ سارا نظام ایثار پر قائم ہے لہٰذا ایثار کرنے والا کائنات کا حصہ بن جاتا ہے۔ اس میں وہ توانائی کام کرتی ہے جو کائنات میں کام کررہی ہے۔ تم اسے ایک مقام پر محدود دیکھتی ہو لیکن وہ ایثار بن کر کائنات میں پھیل جاتی ہے۔ کیا سورج صرف آسمان پر ہے؟ نہیں! اس کی کرنیں ہر شے میں موجود ہیں۔ جس بیج کو سورج کی حدت نہ پہنچے، وہ نہیں پھوٹتا۔ وہ نہیں کُھلتا اس لئے ایثار کی روایت اپناؤ۔ غلط روایات ترک کردو۔

بچپن میں پڑھا تھا — ایک عورت مرغی پکاتے وقت ایک حصہ الگ کرکے گھر سے باہر کوڑے دان میں پھینک دیتی تھی۔

بیٹی نے پوچھا، اماں! آپ ایسا کیوں کرتی ہیں؟

ماں نے کہا، مجھے نہیں معلوم۔ میں نے اپنی اماں کو ایسا کرتے دیکھا اور عادت اپنالی۔

نواسی نانی کے پاس گئی اور سوال کیا، نانی اماں! آپ مرغی پکاتے وقت ایک حصہ کوڑے دان میں کیوں پھینکتی تھیں۔ اماں بھی ایسا کرتی ہیں۔

نانی نے جواب دیا، مجھے نہیں معلوم۔ میں نے اپنی اماں کو ایسا کرتے دیکھا اور عادت اپنالی۔

پرنانی ماشاء اللہ حیات تھیں۔ وہ ان کے پاس گئی اور سوال کیا کہ پرنانی اماں! آپ مرغی پکاتے وقت

> حکمت و دانائی اور آگہی منتقل نہیں ہوتی، یہ اندر میں پہلے سے موجود ہے۔ اچھا استاد شاگرد کی افتادِ طبع کے مطابق ان صلاحیتوں کو بیدار کرتا ہے اور اسے باہر نہیں اندر میں دیکھنا سکھاتا ہے۔

ایک حصہ الگ کرکے کیوں پھینک دیتی تھیں؟ آپ کو دیکھ کر نانی اماں اور اماں بھی ایسا کرتی ہیں اور انہیں اس کی وجہ نہیں معلوم۔

پرنانی نے بتایا — میرے پاس مرغی پکانے کا برتن چھوٹا تھا۔ غربت تھی۔ دوسرا برتن خریدنے کی استطاعت نہیں تھی۔ میں مرغی کا کچھ حصہ گھر کے لئے اور باقی حصہ گھر سے باہر پرندوں کے لئے رکھ آتی تھی۔

---

ثقافت، دستور اور ماحول میں رائج طرزوں کو سمجھنے کے لئے تحقیق اور تجزیہ معاون ہے۔ موجودہ دور میں کم و بیش ہر عمل کے پیچھے خودغرضی، صلہ اور ستائش کی خواہش ہماری عادت بن گئی ہے۔ عادتیں روایات بنتی ہیں اور روایات زندگی کے رخ کا تعین کرتی ہیں۔

وہ نتیجے پر پہنچی کہ صحیح سمت میں چلنے کے لئے ہر پرزے (فرد) کو انفرادیت کے خول اور خودغرضی کے جال سے نکل کر ایثار، قربانی اور نیک نیتی اپنانی ہوگی۔

اس کے ذہن میں ایک ہی بات گونج رہی تھی۔

ہر شے دوسری شے کے کام آرہی ہے۔

ہر شے دوسری شے کے کام آرہی ہے۔

# چار سو سال پہلے کا درخت

سینکڑوں سال سے تنہا درخت ''ٹری آف لائف'' کی موجودگی کے پیچھے قدرت کا ایسا نظام ہے جو ہمیں مکانی فاصلوں کی تسخیر کا علم عطا کرتا ہے۔

کتاب ''محمد رسول اللہؐ جلد دوم'' میں نباتاتی دنیا سے متعلق ایک واقعے نے تفکر کے دریچے کھولے۔

''رسول اکرمؐ مدینہ میں جمعہ کے روز کھجور کے خشک درخت سے ٹیک لگا کر خطاب فرماتے تھے۔ ایک انصاری صحابی خاتون نے بہترین لکڑی سے منبر تیار کروا کے مسجد نبویؐ میں بھیجا اور حضورؐ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ خطبے کے وقت حضورؐ اس منبر پر رونق افروز ہوں۔ جمعہ کے دن جب حضورؐ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو کھجور کا تنا رونے لگا۔ اس کا رونا ایسا دردناک تھا جیسے اونٹنی اپنے بچے سے بچھڑ کر بلکتی ہے، کوئی بچہ اپنی ماں سے جدا ہو کر روتا ہے۔ اس کی فریاد اتنی غم ناک تھی کہ لگتا تھا شدت غم سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ مسجد نبویؐ میں موجود تمام صحابہ نے اس آواز کو سنا اور محمد رسول اللہؐ اس منبر سے اتر آئے۔ درخت پر اپنا دست شفقت رکھا پھر اسے سینے سے لگایا۔ کھجور کا تنا چپ ہو گیا لیکن روتے ہوئے بچے کی طرح ہچکی لگی ہوئی تھی۔ حضورؐ نے اس سے فرمایا:

'اگر تو پسند کرے تو میں تیرے لئے دعا کروں اور اللہ تعالیٰ تجھے جنت الفردوس میں اس مقام پر جگہ دے جہاں میں ہوں۔ تو وہاں ابدالآباد تک رہے۔ انبیا اور اولیاء اللہ تیرے پھل کھایا کریں۔'

آپؐ کے ارشاد کے جواب میں کھجور کے تنے نے کہا، 'ایسا ضرور فرمایئے۔' رسول اللہؐ نے کھجور کے تنے کو مسجد میں دفن کرا دیا۔''

نباتاتی دنیا میں محسوسات، تعلقات اور جذبات کا مطالعہ دلچسپ اور حیران کن ہے۔ پودے اور درخت باتیں کرتے ہیں۔ ماحول سے متاثر ہونے کے ساتھ ماحول کو بھی بڑے پیمانے پر متاثر کرتے ہیں۔ حضرت محمدؐ کے دور میں کھجور کے تنے کا باتیں کرنا اور حضور پاکؐ کا اس کی بات سن کر جواب دینا— نباتات سے گفتگو کی روحانی سائنس کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

مضمون پڑھنے کے بعد ضروری کام نمٹا رہی تھی کہ کمرے میں منی پلانٹ پر نظر گئی۔ نشوونما اچھی ہونے کی وجہ سے گھر والوں اور مہمانوں کی توجہ کا مرکز تھا۔ بیلوں

نے کمرے کی دیوار سے لپٹ کر ماحول طلسماتی بنادیا تھا۔منی پلانٹ دیکھنے کے بعد توجہ دوبارہ لیپ ٹاپ پر قائم نہ رہ سکی۔قریب جا کر دیکھنے کا خیال آیا اور خیال میں شدت پیدا ہوئی تو میں نے لیپ ٹاپ ایک طرف رکھا اور پودے کے قریب گئی ــــ پتّے خشک ہورہے تھے۔دکھ کی لہر وجود سے گزری جب دیکھا کہ ایک ٹہنی جڑ سے الگ ہورہی ہے۔حالاں کہ پانی باقاعدگی سے دیا جاتا تھا۔مزید نقصان سے بچانے کے لئے گملا بدلا اور پودے کو پیار کیا۔

میں نے سوچا کہ لیپ ٹاپ میں مصروف ذہن پودے کی طرف کیوں متوجہ ہوا ــــ؟ گرہ کھلی کہ پودے نے مجھ سے ہنگامی طور پر رابطہ کیا کہ اسے مدد کی ضرورت ہے۔خوشی ہوئی کہ اطلاع بروقت وصول کی اور پودا مزید نقصان سے محفوظ رہا۔

محترم عظیمی صاحب نے واقعہ سنایا کہ جس کمرے میں قلندر بابا اولیاؒ کا قیام تھا اس کے باہر بادام کا درخت تھا۔قلندر باباؒ فرماتے تھے کہ یہ درخت باتیں بہت کرتا ہے جس سے میرے کام میں خلل پڑتا ہے۔ ایک روز درخت غائب تھا۔قلندر باباؒ سے پوچھا تو وہ مسکرا کر خاموش ہوگئے۔

میرا ہدف نباتات کی دنیا کو جاننا تھا۔ پودوں اور درختوں کے رابطے کی صلاحیت کے بارے میں مطالعے سے معلوم ہوا کہ پودوں سمیت ساری کائنات ایک دوسرے سے باتیں کرتی ہے۔ کائناتی لہروں سے واقف اللہ کے دوست فرماتے ہیں،

''انسانوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ رائج ہے۔آواز کی لہریں جن کے معنی معین کر لئے جاتے ہیں، سننے والوں کو مطلع کرتی ہیں ۔ یہ طریقہ اس ہی طریقے کی نقل ہے جو انا کی لہروں کے درمیان ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ گونگا آدمی اپنے ہونٹوں کی خفیف جنبش سے سب کچھ کہہ دیتا ہے اور سمجھنے کے اہل سب کچھ سمجھ جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی پہلے طریقے کا عکس ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو حال سے مطلع کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی انا کی لہریں کام کرتی ہیں۔ درخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ گفتگو صرف آمنے سامنے کے درختوں میں نہیں ہوتی بلکہ دور دراز ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون جمادات میں بھی رائج ہے۔ کنکروں، پتھروں، مٹی کے ذرّوں میں من وعن اسی طرح تبادلہ خیال ہوتا ہے۔'' (کتاب: احسان وتصوف*)

محققین نے نباتات کی گفتگو سے متعلق کئی تجربات کئے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ درختوں میں زیرزمین نیٹ ورک ( Mycorrhizal ) کے ذریعے لہروں کا

* کتاب ''احسان وتصوف'' بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے ایم اے اسلامیات کے نصاب میں شامل ہے۔

تبادلہ ہوتا ہے۔ مکڑی کے جال کی طرح پھیلا ہوا یہ نیٹ ورک جڑوں کے قریب خاص قسم کے فنگس سے بنتا ہے۔ قریب اور دور درخت جس باریک جال کے ذریعے منسلک ہیں، اسے mycelium کا نام دیا گیا ہے۔ ان کے ذریعے ہر طرح کی معلومات کی ترسیل ہوتی ہے جن میں غذا کی موجودگی اور کیڑوں کے ممکنہ حملے کی ہدایات شامل ہیں۔

پودوں کے زیرِ زمین نیٹ ورک کے ذریعے نباتات کی دنیا میں مکانی فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ قدرت کے نظام کے تحت زمین کے ایک کونے پر موجود درخت زمین کے دوسرے کونے سے رابطہ کرسکتا ہے۔ درختوں کے درمیان اس نیٹ ورک کو wood wide web نام بھی دیا گیا ہے۔

پودوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے دوران بحرین کا سفر یاد آیا جو میں نے ''ٹری آف لائف'' کو دیکھنے کے لئے کیا تھا۔ ویران اور بے آب و گیاہ مقام — بظاہر دور دور تک پانی نہیں۔ سینکڑوں سال سے تنہا درخت، ٹری آف لائف کی موجودگی کے پیچھے قدرت کا ایسا نظام ہے جو ہمیں مکانی فاصلوں کی تسخیر کا علم عطا کرتا ہے۔

درخت کے بارے میں سن کر سہیلی کے ہمراہ متحدہ عرب امارات سے بحرین جانے کا فیصلہ کیا۔

قسمت نے یاوری کی کہ جب ہم سیاحتی مقام پر پہنچے تو ہمارے علاوہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ حسین درخت دیکھا اور کچھ وقت گزار کر ہم واپس ہوئے۔ معلومات تلاش کیں کہ خشک صحرا میں پتھریلے پہاڑ کے قریب یہ درخت کس طرح طویل عرصے سے بقا کی جنگ لڑ رہا ہے۔ مطالعے سے معلوم ہوا کہ پودوں کی جڑوں کے سروں پر بہت حساس اور لطیف حصہ (root apex) ہوتا ہے جس کے خلیات میں تقسیم در تقسیم ہونے کی خاصیت کی وجہ سے جڑ در جڑ بنتی جاتی ہے۔

جڑوں کی طوالت پر تحقیق پیچیدہ اور دشوار ہے۔ ایک مثال رائی (سرسوں) کا پودا ہے جو خشک زمین میں افزائش کی اہلیت رکھتا ہے۔

ایچ جے ڈٹمر نے 1937ء میں رائی کے ایک پودے کی زیرِ زمین پھیلی ہوئی جڑ کا پورا نیٹ ورک کھود کر نکالا۔ جڑ ایک کروڑ 38 لاکھ 15 ہزار چھ سو 72 شاخوں پر مشتمل تھی۔ جڑوں کی کل طوالت 622 کلومیٹر جب کہ ان جڑوں پر روؤں کی کل طوالت 11 ہزار کلومیٹر سامنے آئی۔

جڑوں اور روؤں کا قابلِ تحیر نیٹ ورک اللہ کی ایسی صنعت ہے جس پر ذہن انگشتِ بدنداں ہے۔ اس نیٹ ورک کے ذریعے درخت میلوں میل دور پانی تک پہنچ جاتا ہے۔ سبحان اللہ! خالقِ کائنات مخلوق کو ان راستوں سے رزق عطا کرتا ہے جس کا ہم گمان نہیں کرسکتے۔

میری اماں کے پاس متعدد اقسام کے پودے ہیں۔ ان میں کچھ نایاب ہیں۔ اگر کوئی پودوں کو خریدنے کی پیش کش کرے تو اماں خشمگیں لہجے میں کہتی ہیں، خبردار! جو میرے بچوں کو چھونے کی کوشش کی!

سچ ہے کہ بچے والدین کی عادات اپناتے ہیں۔ اماں کو پودوں سے پیار کرتے دیکھا ہے اس لئے مجھے بھی پودوں سے محبت ہے۔ اماں سے محبت کی لہریں پودوں میں منتقل ہوتی ہیں تو پودے پھولوں کی برسات کر کے خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔

ایک دفعہ اماں نے باغ میں پپیتے کے پیڑ کی طرف اشارہ کر کے زندگی کا بہترین سبق دیا۔ نر (male) پپیتے کے پیڑ کی شاخوں کے سروں پر پھول آتے ہیں۔ کچھ شاخیں پانچ سے چھ فٹ طویل ہوتی ہیں۔ ان پھولوں میں نر اور مادہ (female) دونوں کے تولیدی اجزا ہیں تاہم فی میل تولیدی عضو غیر فعال ہونے سے نر پیڑوں پر پھل نہیں لگتے۔

پپیتے کے پیڑ کی ایک خصوصیت سخت گرمی میں عارضی طور پر جنس تبدیل کرنا ہے۔ موسم میں حدت زیادہ ہوتی ہے تو پھولوں میں فی میل تولیدی اجزا فعال ہو کر زیرگی (pollination) کا عمل شروع کرتے ہیں ــــ نر پیڑ پھل دار ہو جاتا ہے۔ پپیتے کے پیڑ کی دوسری دلچسپ خصوصیت یہ ہے کہ اگر نر پیڑ کو سر سے کاٹ دیا جائے تو وہ مادہ بن جاتی ہے۔

سبق: اماں نے سکھایا کہ پیڑ کے تمام پھل کبھی مت توڑو ــــ ایک چوتھائی کے قریب پرندوں کے لئے چھوڑ دو۔

---

محققین نے پولی گراف مشین کی مدد سے معلوم کیا ہے کہ جب کسی درخت نے دوسرے درخت کو کٹتے دیکھا تو درخت کاٹنے والے کو قریب آنے پر پہچان لیا۔ اظہار درخت میں موجود کرنٹ میں تبدیلی سے ہوا جسے پولی گراف مشین پر دیکھا گیا۔

1968ء میں عالمی جرنل برائے پیراسائیکالوجی میں تحقیق شائع ہوئی کہ درختوں کو تشدد سخت ناپسند ہے، چاہے ان پر ہو یا کسی اور پر۔ تحقیق کے مطابق درختوں کے سامنے انڈا توڑیں یا جھینگا ابلتے پانی میں ڈالیں، درختوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

لمس کے معاملے میں چند پودے بہت حساس ہیں۔ بال کا وزن ایک مائیکروگرام* سے کم ہوتا ہے، شبنمی بوٹی اس وزن کو محسوس کر لیتی ہے اور ردعمل ظاہر کرتی ہے۔

پودے جانتے ہیں کہ انہیں کس نے چھوا ہے۔ بارش کا پانی ٹکرانے، پرندوں کے ڈالیوں پر بیٹھنے، حشرات کے بسیرا کرنے اور دیگر فطری عوامل پر مطمئن رہتے ہیں یعنی مقابل کو دیکھ کر ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔

درختوں میں حافظہ بھی ہے۔ یادداشت سے متعلق تجربہ پڑھئے۔ چھوئی موئی (Mimosa) کے پودے

---

* ایک مائیکروگرام (ایک گرام کا دس لاکھواں حصہ)

کو پانچ سیکنڈ کے وقفے سے 60 مرتبہ پھینکا گیا اس خیال کے ساتھ کہ پودے کو نقصان نہ ہو۔ ابتدا میں پودے نے پتیاں بند کرلیں۔ جب دیکھا کہ نقصان نہیں ہوا پھر پتیاں کھلی رکھیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ شہر کی زندگی میں ہجوم کے باوجود تنہائی ہے۔ جب کبھی تنہائی کا احساس ہوا، امید کی کرن مرتبان میں رکھے ہوئے بیجوں اور جڑی بوٹیوں میں نظر آئی۔ اطراف میں ہر طرف اور ہر شے میں زندگی ہے، نشوونما کے لئے ماحول کی ضرورت ہے تاکہ بیج پھوٹیں اور چاروں طرف سبزہ، پھولوں اور پھلوں کی بہار ہو۔ بیجوں کو نشوونما کے لئے پانی، مٹی، دھوپ اور محبت درکار تھی۔

چند بیج لے کر نیک کام کی ابتدا کی۔

خواہش تھی کہ پودوں میں رب العالمین کی عطا کی گئی زندگی کا مشاہدہ کروں۔ خیال کو رنگ دینے کے لئے دھنیا، سرسوں اور مرچ کا انتخاب کیا۔ احساس تھا کہ ان بیجوں سے آنے والے دو ہفتوں میں بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا — غور وفکر کے لئے ذہن کو حرارت، ٹھنڈک، مٹی، پانی اور کھاد فراہم ہوگی اور ذہن کی زمین شاداب ہوجائے گی۔

گملوں میں بیج ڈال کر بڑی کھڑکی کے قریب رکھا جہاں ان پر براہِ راست دھوپ نہیں پڑتی تھی، وہ سورج کی تیز اور گرم شعاعوں سے محفوظ تھے۔ سب کو ایک مٹی، ایک پانی اور ایک جیسی دھوپ ملی — سرسوں کے پودے نے سب سے پہلے زمین سے سر اٹھایا۔

درحقیقت بیج کھلنے کا عمل اسی روز شروع ہوگیا تھا جب ان کو مٹی میں دبایا گیا تھا۔ سرسوں کے پانچ دن کے بعد دھنیا باہر آیا۔ مرچ ابھی تک بیج کے خول میں چھپی ہوئی تھی۔ سرسوں اور دھنیا بڑھے اور پھیلے۔ جب دو ہفتے گزرنے پر مرچوں کے بیج کی طرف سے امید مدہم ہونے لگی تو اگلی صبح گملے میں زندگی بہار دکھا رہی تھی۔ میں نے سیکھا کہ اللہ سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ امید زندگی — مایوسی موت ہے۔

گملے تین تھے۔ اس روز تین گملوں کے قریب بیٹھ کر میں نے زندگی کا حیرت انگیز سبق سیکھا۔

گملا ہماری زمین ہے۔

مختلف بیج ہم آدم کی اولاد ہیں۔

سب کی پرورش رب ذوالجلال کرتا ہے۔

کیا ہم بیجوں کی طرح نہیں ہیں؟

بیج سے پودوں کے نکلنے اور نوعِ آدم کی شعوری نشوونما پر غور کیا۔ بیجوں کی طرح ہم سب اپنے اپنے وقت پر نشوونما پاتے ہیں اور خودشناسی حاصل کرتے ہیں۔ کوئی خول سے جلدی باہر آتا ہے اور کسی کو وقت لگتا ہے اس لئے موازنہ کرنا دانش مندی نہیں۔ ہر شے اپنے وقت پر ظاہر ہوتی ہے۔ مرچ، سرسوں اور دھنیا ایک وقت میں بوئے گئے۔ بیج الگ ہیں اس

لئے بیج کھلنے کا وقت مختلف ہے۔

چار بہن بھائی ایک ماں باپ سے پیدا ہوتے ہیں۔ سب میں ایک جیسی ذہانت نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جن بچوں کو کم ذہین سمجھا جاتا ہے وہ ذہین نہیں۔ ہوسکتا ہے وہ کسی اور شعبے میں اپنے بھائی بہنوں سے زیادہ ذہین ہوں۔ موازنہ کرنے سے اعتماد متاثر ہوتا ہے۔

**سبق:** ہر بیج کا مٹی سے باہر آنے اور خود شناسی کا وقت اپنی ساخت کے مطابق ہے۔

پودوں کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات نے میرے اندر پودوں کی عزت اور محبت بڑھا دی۔ محبت کے جذبات کو نثر کے ساتھ نظم میں قلم بند کیا۔

سوچتی ہوں کہ میرے اردگرد
درخت اور پودے خاموش کھڑے ہیں
لاعلم رہی کہ یہ خاموش نہیں
میں انہیں سننے سے قاصر ہوں۔
آواز کیسے سنوں ــــ؟
تشویش سن کر لہریں گویا ہوئیں
جب انفرادیت کا جال
اجتماعیت میں تحلیل ہوگا
تو میری پیاری دوست!
تم انہیں باہر نہیں اندر دیکھو گی
اور ان کی آواز سن لوگی۔

### شجرۃ الحیاۃ

خلیجی ریاست بحرین کے بنجر صحرا میں سبز پتّوں سے ڈھکا ہوا شجرۃ الحیاۃ (Tree of Life) نامی درخت چار صدی پرانا ہے۔ درخت المنامہ شہر سے 40 کلو میٹر دور بحرین کے بلند ترین مقام جبل دخان سے تقریباً دو کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔

بظاہر بنجر علاقے میں گزشتہ چار صدیوں سے اس درخت کا شاداب رہنا اسے منفرد مقام دیتا ہے۔

32 فٹ (9.75 میٹر) اونچے درخت کی جڑیں 50 میٹر گہری بتائی جاتی ہیں جو پانی تک پہنچنے کے لئے کافی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ درخت ریت کے ذرّات سے نمی حاصل کرتا ہے۔ درخت سے کئی داستانیں منسوب ہیں۔

اکتوبر 2010ء میں ماہرین آثار قدیمہ نے درخت کے آس پاس پانچ سو سالہ قدیم نوادرات کا پتہ لگایا۔ 1990ء میں dendrochronology (علمِ شجری تاریخ ــــ جس میں درخت کے تنوں کے حلقوں سے عمر کا تعین کرتے ہیں) سے نتیجہ اخذ کیا گیا کہ درخت ببول کا تھا جو 1582ء میں لگایا گیا تھا۔

# اقتباسات

''ماہنامہ قلندر شعور'' کو گلدستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوششیں قابل قدر ہیں۔ قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالے کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم وبیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

---

قدرت کی کرشمہ سازی بھی کیا خوب ہے کہ ایک ہی مٹی سے مختلف شکلیں بناتی ہے پھر اسی مٹی میں ملا کر مٹاتی ہے اور پھر بنا دیتی ہے۔ تخلیق کے اس عمل میں واضح نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو فی الواقع خالقِ کائنات کو جاننا پہچاننا چاہتے ہیں۔ آدم کی افتادِ طبع بھی عجیب ہے کہ اس نے چمک دمک رکھنے والی نہروں کو جنت میں ویران چھوڑا، قسم قسم کے پھولوں کو اور باغوں میں پرندوں کی چہکار کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ آدم کسی ایک بات یا کسی ایک چیز پر قانع نہیں رہتا۔ اس کا جنت میں رہتے رہتے جب جی گھبرانے لگا تو اسے چھوڑ کر زمین پر آ گیا۔ اس کے مزاج میں ہر آن، ہر لمحہ تغیر اور تبدل ہے۔ (کتاب: کشکول، مرسلہ: وہاج ندیم، دبئی)

یہ حقیقت اب تسلیم کی جا چکی ہے کہ ہمارے جسم خاکی کے اندر ایک اور جسم ہے جو بخارات آبی سے زیادہ لطیف ہے۔ حقیقی انسان وہی ہے۔ یہ جسم خاکی فانی ہے اور وہ غیر فانی۔ جب ہم سو جاتے ہیں تو یہ جسم لطیف، خاکی جسم سے نکل کر ادھر ادھر گھومتا ہے۔ یہ دونوں جسم ایک لطیف بندھن سے باہم بندھے ہوئے ہیں۔ اور جب کسی حادثے یا بیماری سے یہ بندھن کٹ جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ ورنہ نیند کے بعد جسم لطیف، جسم خاکی میں واپس آ جاتا ہے۔

(کتاب: من کی دنیا، مرسلہ: بی بی کلثوم، مردان)

صلوٰۃ کا ایک مفہوم ربط ہے یعنی نماز کے ذریعے بندے کا اللہ تعالیٰ سے ربط قائم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ انسان خوش ہو، غمگین ہو یا خوفزدہ ہو، زندگی کے ہر موڑ پر اس کا ذہن اللہ کے ساتھ وابستہ رہے۔ گرہن کے موقع پر توبہ واستغفار کی تاکید میں بھی یہ حکمت ہے کہ اس وقت بھی بندہ اللہ کی ذات سے عاجزی، انکسار اور خشوع وخضوع کے ساتھ رجوع کرے۔

(کتاب: معلم، مرسلہ: سلطانہ اکرام، کراچی)

تباہی کے اسباب پر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ بسا اوقات ہم ایک برائی کو بہت کم تر اور معمولی سمجھتے ہیں لیکن حقیر نظر آنے والی یہی برائی جب بیج بن کر نشو ونما پاتی ہے اور درخت بن جاتی ہے تو اس درخت کے پتّے، کانٹے، کریہہ رنگ پھول، خشک سیاہ اور کھردرے پتّے، بجھی بجھی سی اور بے رونق شاخیں پوری نوع کو غم آشنا کر دیتی ہیں اور پھر یہ غم ضمیر کی ملامت بن کر مہلک بیماریوں کے ایسے کنبے کو جنم دیتا ہے جس سے آدمی بچنا بھی چاہے تو بچ نہیں سکتا۔ اگر ہم واقعتاً حقیقت کو سمجھنا چاہتے ہیں اور تفکر کو اپنا شعار بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں جاننا ہوگا کہ خیر وشر کے تمام مراحل ایک کنبے کے افراد کی طرح زندہ اور متحرک ہیں۔ نیکی کا درخت رحمت و برکت کا سایہ ہے اور بدی کا درخت خوف اور پریشانی اور رنج و ملال کی کیفیات کو نوعِ انسانی پر مسلط کر دیتا ہے۔ (کتاب: محبوب بغل میں، مرسلہ: صائمہ شاکر، لاہور)

کسی بندے کو اللہ کی معرفت نصیب نہیں ہوتی جب تک خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہؐ کی معرفت حاصل نہ ہو جائے اور رسول اللہؐ کی معرفت کے حصول کے لئے مرشد کی ذات استاد، راہ نما یا مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ (مرسلہ: حنظلہ حسین، کراچی)

دعا ایسی عبادت ہے جس کا بدل دوسری عبادت نہیں ہے۔ دعا ایسا عمل ہے جس میں انسان فی الواقع اپنی نفی کر دیتا ہے اور اپنے پروردگار کے سامنے وہ کچھ بیان کر دیتا ہے جو کسی قریب ترین عزیز سے نہیں کہہ سکتا۔ بے شک حاجت روائی اور کارسازی کے سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ کائنات میں جاری و ساری نظام پر غور کیا جائے تو اللہ کے سوا کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں اور یہ جو اختیار کی بات کی جاتی ہے اس میں بھی اللہ کا ہی اختیار کام کر رہا ہے کہ اس نے بندے کو اختیار استعمال کرنے کی توفیق دی ہے۔ سب اپنے خالق کے محتاج ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جو بندوں کی پکار سنے اور ان کی دعائیں قبول کرلے۔

(کتاب: تجلیات، مرسلہ: محمد عثمان، حیدرآباد)

علم الیقین اور عین الیقین کا تقاضا ہے کہ مناظر کے پس پردہ حقیقت سے روشناس ہو کر ہر عمل اور ذہنی حرکت کو حقیقت کے تناظر میں دیکھا جائے اور اس ذات کی قلبی نسبت حاصل کر لی جائے جو ان مناظر، وسائل اور نعمتوں کا مالک ہے، ہمارا خالق اور ہمارا کفیل ہے۔ زندگی کو قائم رکھنے کے لئے وسائل فراہم کرنے والا ہے اور جس کی طرف پلٹ کر ہمیں واپس جانا ہے۔

(مرسلہ: عمادالحق۔ عجمان)

عابد محمود

# زر پرستی

گھر کے مرکزی ہال کی طرف نظر کی جہاں سفید کفن میں بے حرکت وجود تدفین کا منتظر تھا۔ بیٹوں سے کہا، ماں کی لاش گھر میں پڑی ہے اور تم کفن دفن کے انتظام کے بجائے جائیداد میں حصے کی باتیں کر رہے ہو — ؟ تھوڑی انسانیت بھی ہے تو پہلے ماں کو دفنا لو۔

---

ظاہر خان بڑبڑاتا ہوا رنگ رنگ نوٹوں کی گڈی کھول کر فضا میں اڑا رہا تھا۔ اسپتال میں مریضوں کے رشتے دار ایک دیوانے کو نوٹ فضا میں اڑاتے دیکھ کر اس طرف دوڑے۔ ہجوم ہو گیا۔ نوٹ پکڑنے کے لئے دھکا پیل شروع ہوئی۔ حفاظتی عملہ حرکت میں آیا اور ظاہر خان کو نوٹوں بھرے بیگ سمیت اسپتال سے باہر نکال دیا۔

ایک ملازم ظاہر خان کے ہمراہ تھا۔ مالک کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ ہوش میں ''نہیں'' تھا۔ ہزار ہزار کے نوٹ سڑک پر بکھر گئے۔ وہ پاگلوں کی طرح قہقہے لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا،

''دھن دولت چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ کاغذ کے نوٹ کسی کے کام نہیں آتے، مت اٹھاؤ، بکھرنے دو، تمہارے کام بھی نہیں آئیں گے۔''

نوٹ دیکھ کر کسی نے باتوں پر توجہ نہیں دی۔ لوگ کاغذ کے بے جان ٹکڑوں کے لئے لڑ رہے تھے۔ ملازم کی نیت خراب ہوئی، مالک سے بیگ لیا اور ہوشیاری سے ہجوم میں سے نکل گیا۔

○ ○ ○

ظاہر خان کو تعلیم کے بعد جس محکمے میں ملازمت ملی، وہاں ''اوپر کی کمائی'' معمول تھی۔ دو سال میں چور راستوں سے واقف ہوا اور دس سال کی نوکری میں صفر سے کروڑوں کا مالک بن گیا۔ کوشش تھی کہ ارب پتی بنے اور کسی طرح سے کالا دھن سفید ہو جائے۔ بینک بیلنس بڑھنے کے بعد ملازمت کو خیر باد کہا اور نئی اسکیموں میں سرمایہ کاری کی۔ پیسے جمع کرنے کی خواہش میں زندگی کے کئی سال گزر گئے۔ خیال تھا کہ ارب پتی بننے کے بعد سکون سے زندگی گزارے گا۔ کچھ سالوں میں وہ کالے دھن کو سفید کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

شادی کو آٹھ سال ہو گئے تھے لیکن رپورٹیں درست ہونے کے باوجود میاں بیوی اولاد سے محروم تھے۔ کنالوں پر پھیلا بنگلا بچوں کی کلکاریوں سے ترستا تھا۔

خالہ نذیراں بتا رہی تھیں کہ اللہ کا ایک نیک بندہ ان کے گھر آ رہا ہے۔ ان کی دعاؤں سے مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ ہمیں بھی ملنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے دعا سے اللہ میری گود ہری کر دے۔ شائستہ نے شوہر کو دیکھ کر افسردگی سے کہا۔

سب ڈھونگ ہے۔ تمہیں آج کے دور میں ان باتوں پر اعتقاد ہے؟ ناگواری سے پوچھا۔

میرا دل کہتا ہے کہ ان سے ملنا چاہئے۔ وہ کل تشریف لا رہے ہیں۔ دعا کی درخواست کریں گے۔

شائستہ کی بات پر وہ خاموش ہوگیا۔

○ ○ ○

رات نیند کی گولی کھانے کے باوجود نیند نہیں آئی۔ ذہن متواتر لین دین میں مصروف تھا۔ بروکر نے خبر دی تھی کہ *share کی قیمت تین دن میں بڑھنے والی ہے۔ بروکر نے ہمیشہ وقت پر اطلاع دے کر فائدہ پہنچایا تھا۔ ظاہر خان سوچ رہا تھا کہ اگر میرے شیئر کی قیمت دگنی ہوگئی تو بیٹھے بٹھائے ارب پتی بن جاؤں گا۔

وہ ڈپریشن اور شوگر کا مریض تھا۔ من پسند چیزیں کھانے پر پابندی تھی۔ بینک بیلنس بڑھنے کے ساتھ دسترخوان اس کے لئے سمٹ گیا تھا۔

صبح ناشتے کی میز پر شائستہ انتظار کر رہی تھی۔

دیکھتے ہی فوراً کہا، خالہ نذیراں نے پیغام بھیجا ہے کہ بزرگ ان کے گھر پر ہیں۔ ہمیں ناشتے کے بعد ان کی طرف جانا ہے۔ ظاہر خان گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے بولا، تم چلی جاؤ مجھے اسٹاک مارکیٹ جانا ہے۔ کروڑوں کی رقم داؤ پر لگی ہے اور نیند اڑ گئی ہے۔

شائستہ شوہر کی زر پرستی سے تنگ تھی۔ اس نے بیزاری سے جواب دیا، وہاں جا کر کیا کریں گے۔ سارا دن مارکیٹ اوپر نیچے ہوتی رہے گی اور آپ خود کو پریشان کر دیں گے۔ کیا ضرورت ہے ان جھمیلوں میں پڑنے کی۔ ہماری کوئی اولاد نہیں پھر کس کے لئے دن رات ایک کر رہے ہیں؟ جو ہے کافی ہے۔ ساری زندگی بیٹھ کر کھائیں تو بھی ختم نہیں ہوگا۔

ظاہر خان نے گھورتے ہوئے کہا، گاڑی اور بینک بیلنس نہ ہوں تو کوئی عزت نہیں کرتا۔ رشتے دار آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ جس کے پاس پیسہ ہے اس کے پاس آسائش ہے۔ تمہیں بغیر محنت کے سب مل گیا اس لئے قدر نہیں ہے۔ شائستہ نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے شوہر سے کہا، میری خاطر ایک بار بزرگ سے مل لیں۔ شیئر کے لئے بھی دعا کا کہہ دیجئے گا۔

ظاہر خان کے تاثرات بدل گئے۔ ٹھیک ہے ناشتا کرلو پھر چلتے ہیں۔

○ ○ ○

خالہ نذیراں کے گھر بارہ بجے پہنچے۔

صحن میں دریاں بچھی ہوئی تھیں۔ سفید لباس میں بزرگ نگاہوں کا مرکز تھے۔ وہ کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا

---

* share (حصص)

اور طنزیہ نظروں سے بزرگ کی طرف دیکھتے ہوئے سوچنے لگا کہ جو بندہ خود زمین پر بیٹھا ہے وہ دوسروں کے لئے کیا دعا کرے گا۔

بزرگ ان کے آنے سے پہلے کسی موضوع پر بات کررہے تھے — آدمی سمجھتا ہے کہ مال و دولت کے انبار سے ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ چناں چہ وہ گن گن کر پیسے جمع کرتا ہے اور مرتے دم تک پیسوں کی ہوس ختم نہیں ہوتی۔ سمجھتا ہے کہ جو کچھ کمایا ہے، میرے زورِ بازو کی بدولت ہے۔ جس طرح چاہوں، خرچ کروں نہ کروں، کوئی روکنے والا نہیں۔ اس سوچ سے سرکشی اور بغاوت کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ سرکشی تناور درخت بنتی ہے اور آدمی کو قارون بنا دیتی ہے۔ دولت کمانے میں برائی نہیں ہے لیکن دولت پرستی اللہ کو پسند نہیں۔ آدمی حلال حرام کی تمیز کھو کر اللہ کی ناراضی مول لیتا ہے۔

انہوں نے کچھ لمحے توقف کیا اور ظاہر خان کی طرف دیکھتے ہوئے بات جاری رکھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب الیم کی بشارت دو۔'' (التوبہ: ۳۴)

دولت ذخیرہ کرنے کے نتائج الم ناک ہیں۔ ایسے لوگوں کی جسمانی اور ذہنی صحت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ نیند اڑ جاتی ہے۔ سکون روٹھ جاتا ہے۔ لوگ پیسوں کی وجہ سے ان کا احترام کرتے ہیں۔ پیسے کی حرص اولاد میں منتقل ہوتی ہے تو وہ بچے جن کے لئے ماں باپ ساری رات جاگتے ہیں، والدین کی موت کا انتظار کرتے ہیں۔

ظاہر خان نے مسکرا کر بزرگ کو دیکھا اور سوچا کہ آخر یہ باتیں میں کتنی بار سنوں گا۔ جن کے پاس دولت نہیں ہوتی، ایسی باتیں وہی کرتے ہیں۔ یہ کیا جانیں کہ دولت کا بھی اپنا نشہ ہوتا ہے۔

قارئین! زر پرستی — نشہ ہے۔ جب نشہ اترتا ہے تو منظر وہ نہیں ہوتا جو نشے کے وقت نظر آتا ہے۔

سب کے جانے کے بعد میاں بیوی نے اولاد کے لئے دعا کی درخواست کی۔ بزرگ نے فرمایا، اللہ سے مانگو، اللہ سب کی سنتا ہے۔ میں بھی دعا کروں گا۔

○ ○ ○

ظاہر خان کو یقین نہیں تھا۔

اپنا اور بیگم کا مہنگے اسپتالوں میں علاج کرایا۔ قیمتی دوائیں استعمال کیں۔ ایک روز بیگم نے خوش خبری سنائی کہ بزرگ کی دعا قبول ہوگئی ہے۔

ظاہر خان نے کہا، دعاؤں سے کیا ہوتا ہے؟ سب مہنگی ادویات کی وجہ سے ہے جو میں نے بیرون ملک سے منگوائی تھیں۔ سارے کام دعاؤں سے ہونے لگیں تو فیکٹریاں بند ہوجائیں اور لوگ مصلّے بچھالیں۔

بیگم نے پہلی بار تیز لہجے میں کہا، سوچ سمجھ کر بولا کریں۔ دولت کے زعم میں کچھ بھی کہہ دیتے ہیں۔

وہ طنزیہ ہنسی کے ساتھ فائلوں میں مشغول ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے تین بیٹے عطا کئے۔ شائستہ کو تو جیسے کھلونے مل گئے۔ دن رات بچوں کے آگے پیچھے گھومتی۔ ان کے ناز اٹھاتی۔ میاں بیوی بچوں کی ہر ضد اور فرمائش پوری کرتے۔ وہ چاہتے تھے کہ بچوں کو کسی چیز کی کمی نہ ہو۔

ظاہر خان کو پیسہ کمانے کے لئے جواز مل گیا تھا کہ بچوں کے لئے کچھ کر جاؤں۔ تاہم یہاں سے کہیں جانا بھی ہے، اس بارے میں وہ نہیں سوچتا تھا۔

وقت کا پہیّا گھومتا رہا اور اولاد جوان ہوگئی۔

میاں بیوی کو احساس ہوا کہ اولاد ان کے لئے امتحان بن گئی ہے۔ ضد پوری ہونے سے بچے بگڑ گئے۔ بڑے بیٹے نے پسند کی شادی کے لئے ضد کی اور گھر چھوڑ دیا۔ بیٹے کو گھر لانے کے لئے والدین کو مجبوراً رضامندی ظاہر کرنی پڑی۔ منجھلے بیٹے کو نشے کی لت لگ گئی۔ تیسرا بیٹا بھی لاپروا تھا۔

○ ○ ○

دولت کا مصرف صحیح نہ ہونے کی وجہ سے سکھ نصیب نہیں ہوا۔ دولت بھی وہ جو آدھی بینکوں میں رکھی ہوئی اور آدھی تجوریوں میں بند زمین میں تھی۔ صرف احساس تھا کہ میرے پاس اس قدر دولت ہے۔

اعصاب مضمحل ہونا شروع ہوئے تو من میں آواز اٹھتی کہ اتنی شان و شوکت کے باوجود میں اپنا پسندیدہ کھانا نہیں کھا سکتا۔ بیوی بچے ہیں مگر خوشی نہیں ہے۔

بچوں کی شادیاں کیں۔ تینوں بیٹے ماں باپ سے غافل ہوگئے۔ کاروبار میں دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی۔ سارا بوجھ باپ کے کندھوں پر تھا۔ گھر آکر ماں سے بھی رسمی بات چیت کرتے۔

ذہنی تناؤ کی وجہ سے ظاہر خان کا سر درد شدت اختیار کر جاتا تو تکلیف ناقابل بیان ہوتی۔

پھر وہ دن آیا جب زندگی کا ساتھی ساتھ چھوڑ گیا۔ میت گھر پر تھی۔ وہ تعزیت کے لئے آنے والوں سے مل رہا تھا کہ منجھلے بیٹے نے کہا، ہمیں بات کرنی ہے۔

کس کو —؟ حیرت سے پوچھا۔

ہم بھائیوں کو۔ بیٹے نے بے اعتنائی سے جواب دیا۔

وہ خاموشی سے اندر آیا تو ایک کمرے میں بیٹے اور بہوئیں بیٹھی تھیں۔

ابا ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اماں کی تدفین کے بعد آپ کے ساتھ نہیں رہیں گے۔ بڑے بیٹے نے روکھے لہجے میں مطلع کیا۔

ظاہر خان کے دل پر جیسے کسی نے سل رکھ دی۔

دکھ کی لہر وجود میں دوڑ گئی۔

خالی نظروں سے بیٹوں کی طرف دیکھا۔

چھوٹے بیٹے نے گلا کھنکھارتے ہوئے کہا، ابا! جائیداد میں ہمارا حصہ دے دیں تاکہ ہم مرضی سے زندگی بسر کریں۔ میں کاروبار کرنا چاہتا ہوں۔ کل کو میرے بچے بڑے ہوں گے تو کیا کہیں گے کہ میں نے ان کے لیے کیا کمایا ہے۔

کون سا حصہ —؟ میں زندہ ہوں۔ میری محنت کی

کمائی پر ابھی تمہارا حق نہیں۔ جب دنیا سے چلا جاؤں تو جو مرضی کرتے رہنا۔

ظاہر خان کے جواب پر منجھلے بیٹے نے جو نشہ کرتا تھا، جیب سے پستول نکالی۔ وہ دہل گیا۔ کیا اس کے بیٹے اس حد تک جا سکتے ہیں؟

گھر کے مرکزی ہال کی طرف نظر کی جہاں سفید کفن میں بے حرکت وجود تدفین کا منتظر تھا۔ بیٹوں سے کہا، ماں کی لاش گھر میں پڑی ہے اور تم کفن دفن کے انتظام کے بجائے جائیداد میں حصے کی باتیں کر رہے ہو — ؟ تھوڑی انسانیت بھی ہے تو پہلے ماں کو دفنا لو۔

منجھلے بیٹے نے پستول جیب میں ڈالتے ہوئے کہا، ابا! فیصلہ ہو چکا ہے۔ تدفین کے بعد بٹوارا ہوگا۔

اس نے بہوؤں کی جانب دیکھا۔

انہوں نے منہ پھیر لیا۔

ظاہر خان نے بہوؤں سے کہا، میں نے اپنے بیٹوں کی تربیت نہیں کی اور تمہارے والدین نے تمہاری تربیت نہیں کی۔ یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد بیٹے بہو سب چہرے پر غم کی چادر تان کر کمرے سے باہر آئے اور ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے کی اداکاری کرنے لگے۔

اس نے بیوی کی موت پر زندگی کا وہ رخ دیکھا جس کے بارے میں اب تک صرف سنا تھا۔

نماز جنازہ کے بعد شائستہ کو دفنا کر گھر جانے کے بجائے خفیہ فلیٹ کا رخ کیا۔ خوف تھا کہ جائیداد کے لئے اولاد جان نہ لے لے۔

○ ○ ○

بستر پر لیٹا تھا۔ ذہن میں بچوں کی باتیں گھوم رہی تھیں۔ شدت کرب سے دل پر بوجھ بڑھتا محسوس ہوا۔ بزرگ کی باتیں یاد آ رہی تھیں کہ مال و دولت ذخیرہ کرنے کے نتائج الم ناک ہوتے ہیں۔ پیسے کی حرص اولاد میں منتقل ہوتی ہے تو وہ بچے جن کے لئے ماں باپ ساری رات جاگتے ہیں، والدین کی موت کا انتظار کرتے ہیں۔

سر میں درد کی ٹیسیں اٹھیں۔ بمشکل پاس پڑی گھنٹی بجائی۔ بے ہوش ہونے سے پہلے نوکر کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ آنکھ کھلی تو اسپتال میں تھا۔ ٹیسٹ ہونے پر معلوم ہوا کہ دماغ میں رسولی ہے۔

ظاہر خان نے زندگی کو ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسلتے دیکھا۔ ڈاکٹر سے کہا، آخر یہ دولت کس لئے ہے؟ میں علاج پر پانی کی طرح پیسہ بہا دوں گا۔ پیسوں کی فکر مت کریں، علاج شروع کریں۔

ڈاکٹر نے ہمدردی سے ظاہر خان کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا، ہر چیز پیسے سے خریدی نہیں جاتی۔ مرض آخری اسٹیج پر ہے لیکن زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ دعا کریں کہ اللہ شفا دے۔

ظاہر خان کے اندر ٹوٹ پھوٹ تھی۔ بینک بیلنس نصیب نہیں ہو سکا۔ بیوی کا ساتھ چھوٹ گیا اور اولاد نے پستول نکال لی۔ جس دولت کے لئے ساری زندگی

حرام حلال کی تمیز نہیں کی، آج اس سے وہ زندگی نہیں خرید سکتا۔اس نے اپنے ساتھ کیا کیا ــــ؟

دماغ میں آندھیوں کے طوفان چل رہے تھے۔

ملازم کے ہاتھ سے نوٹوں سے بھرا ہوا بیگ لیا اور بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل گیا۔باہر آتے ہی وہ کچھ ہوا جو آپ نے مضمون کی ابتدائی سطروں میں پڑھا۔

ظاہر خان کا دماغ الٹ گیا تھا اور وہ سڑک پر نوٹ اڑاتے ہوئے پاگلوں کی طرح قہقہے لگا رہا تھا۔

دوسری طرف بیٹے دولت مند باپ کو جگہ جگہ تلاش کر رہے تھے لیکن کسی کو خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں گیا۔ انہیں غصہ تھا کہ باپ نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔

ظاہر خان کی دیوانگی ختم نہیں ہوئی۔ چلتے چلتے وہ خالی سڑک پر آپہنچا۔اونچی آواز میں آنے جانے والی ہر گاڑی کو اشارے سے روکتا اور کہتا کہ کاغذ کے نوٹ کسی کے کام نہیں آتے۔

زندگی میں پہلی بار رات سڑک پر گزری۔صبح جاگا تو ایک بار پھر انجانی منزل کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ چلتے چلتے سنسان سڑک پر آپہنچا جہاں دائیں جانب نالا بہہ رہا تھا۔پل پر سے جھک کر دیکھا، توازن بحال نہ رکھ سکا اور نالے میں گر گیا۔کسی کو پتہ نہیں چلا کہ ظاہر خان کہاں گیا۔اربوں کا بینک بیلنس، ہزاروں ایکڑ زمین، اسٹاک مارکیٹ میں حصص رکھنے والے کو کفن نصیب نہ ہوا۔

## نفع اور نقصان

ایک شخص دوسرے شہر سے گھر واپس آ رہا تھا کہ راستے میں کسی نے خبر دی، تمہارے مکان کو آگ لگ گئی ہے لیکن بیوی بچے خیریت سے ہیں۔خبر سن کر دوڑتے ہوئے واپس پہنچا۔ یہ قصبے کا سب سے خوب صورت مکان تھا۔جس مکان کو وہ کسی قیمت پر بیچنے کو تیار نہیں تھا، وہ آنکھوں کے سامنے جل رہا تھا۔ قصبے والے آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن آگ قابو سے باہر تھی۔باپ پر نظر پڑتے ہی بیٹا دوڑتا ہوا آیا اور کہا، پریشانی کی بات نہیں ہے، آپ کی غیر موجودگی میں مکان اچھی قیمت پر فروخت کر چکا ہوں۔

باپ کی جان میں جان آئی اور بولا، یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ یہ گھر اب ہمارا نہیں۔ پریشانی ختم ہو چکی تھی اس لئے وہ تماشا دیکھنے والوں میں شامل ہو گیا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ دوسرا بیٹا آیا اور پوچھا، مکان میں آگ لگی ہے اور آپ کھڑے دیکھ رہے ہیں؟

باپ بولا، کیا تمہیں خبر نہیں کہ یہ بک چکا ہے؟

ابا! ہمیں پہلی قسط ملی ہے۔کیا وہ مزید رقم ادا کرے گا؟

باپ کا چہرہ زرد ہو گیا۔تھوڑی دیر کے بعد تیسرا بیٹا آیا۔ ابا! وہ آدمی زبان کا پکا ہے۔کہتا ہے کہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ مکان میں آگ لگے گی۔ چوں کہ زبان دی جا چکی ہے اس لئے مکان اب اس کا ہے، وہ بقیہ رقم ادا کرے گا۔باپ بیٹوں نے سکون کا سانس لیا۔نقصان کی فکر ــــ؟

SEARLE

GINDEREL

# کینڈرل

## پھیلائے دنیا بھر میں مٹھاس لو کیلوری کے ساتھ

30 سال سے زائد عرصے سے دنیا بھر میں ہزاروں لوگوں کی زندگیوں میں **کینڈرل** چینی جیسی مٹھاس شامل کر رہا ہے وہ بھی معمولی سی کیلوری کے ساتھ۔ **کینڈرل** بلڈ گلوکوز لیول پر بھی کوئی اثر نہیں کرتا ہے۔ اگر آپ ذیابیطس کے مریض ہیں جو زندگی میں مٹھاس لانا چاہتے ہیں یا آپ اپنے وزن کی خاطر روز میٹھے سے نظر چراتے ہیں تو اب آپ کی مشکل ہوئی آسان۔۔۔ **کینڈرل** کے ساتھ

**PAKISTAN'S FIRST ISO CERTIFIED LEADING IVF & GENETICS INSTITUTE**

**AUSTRALIAN CONCEPT**
INFERTILITY MEDICAL CENTER
Established Since 1998

ACIMC 22 CELEBRATIONS

IAF

# کیا آپ اولاد کی نعمت سے محروم ہیں؟

## اولاد کا حصول ممکن ہے

آج ہی **فری کنسلٹیشن**

کے لئے رابطہ کریں

2020

SCAN ME

**ACIMC KARACHI HEAD OFFICE**

32-A, BLOCK-5, KEHKASHAN, CLIFTON, NEAR BILAWAL CHOWRANGI, BEHIND BBQ TONIGHT, KARACHI, PAKISTAN 74400

LAHORE ISLAMABAD HYDERABAD
SUKKUR NAWABSHAH GAMBAT
MULTAN QUETTA RAHIM YAR KHAN
GUJRANWALA FAISALABAD LARKANA

:0309-333-2229 ( BABY )

UAN :0304-111-2229 ( BABY )

www.acimc.org info@acimc.org AUSTRALIANCONCEPT

# اک نقطے وچ گل مکدی اے

آدمی کمرے میں موجود پندرہ بیس چیزوں کے درمیان میں سوتا ہے۔ نیند کے دوران یہ چیزیں آپ کو بظاہر نظر نہیں آتیں لیکن ان کا عکس دماغ پر پڑتا رہتا ہے۔ کمرے میں بہت ساری چیزیں ہونے سے الجھے ہوئے خواب نظر آتے ہیں۔

سرورِ کائنات رسول اللہؐ کا ارشاد ہے،

''دنیا مسافر خانہ ہے۔''

مسافر خانے میں قیام کرتے ہیں تو سامان ساتھ نہیں لے جاتے۔ سفر ختم ہوتا ہے، مسافر خانے سے رخصت ہوجاتے ہیں۔ کچھ ساتھ نہیں لائے، کچھ ساتھ نہیں لے گئے۔ آرام کی ساری چیزیں موجود تھیں۔ اگر کوئی چیز موجود نہیں تھی تو اس کی فکر نہیں کی کیوں کہ مسافر خانے میں قیام چند روز تھا۔

جس طرح مسافر — مسافر خانے میں رہتا ہے اور وہاں سے چلا آتا ہے، اسی طرح آدمی دنیا میں مہمان بن کر آتا ہے اور بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا گزار کر رخصت ہوجاتا ہے۔ مسافر کہاں سے آتا ہے اور مسافر خانہ چھوڑ کر کہاں چلا جاتا ہے — نہیں معلوم۔

پڑھے لکھے لوگ کہتے ہیں آدمی عالمِ ارواح سے آتا ہے اور زندگی کے نشیب و فراز گزار کر عالمِ اعراف میں چلا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عالمِ ارواح کیا ہے؟

سوال یہ بھی ہے کہ اعراف کہاں ہے؟

سفر میں کوشش ہوتی ہے کہ سامان کم سے کم ہو۔ سامان جتنا کم ہوتا ہے، سفر آرام سے گزرتا ہے۔ اچھے ہوٹل کا انتخاب اس لئے کیا جاتا ہے کہ وہاں راحت و آرام کی چیزیں پہلے سے موجود ہوتی ہیں۔ وہ انہیں استعمال کرتا ہے مگر جب ہوٹل چھوڑتا ہے تو سامان ساتھ نہیں لے جاتا اور ساتھ نہ لے جانے کا افسوس بھی نہیں ہوتا۔

دماغ ایک کمرا ہے۔ کشادہ ہوادار کمرا آرام دہ بستر سے مزین ہے۔ گرمی سے بچنے کے لئے پنکھا ہے، چھوٹی میز ہے، میز پر ضروری چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔ اس کمرے میں ایک آدمی سوتا ہے اور صبح بیدار ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس کمرے میں تخت پر بستر بچھا ہوا ہے۔ میز، کرسی، پنکھا، بڑا قالین اور بڑے قالین کے اوپر نہایت خوب صورت چھوٹا قالین ہے، دو گاؤ تکیے

ہیں، ریڈیو ہے، ٹی وی ہے، D V D پلیئر ہے، ٹیلیفون ہے، الماری ہے، الماری میں کپڑے ہیں، چار پانچ جوڑی جوتے ہیں، زیورات ہیں، کرنسی ہے، کمرے میں چھوٹا فریج ہے، گھڑی ہے، دیوار پر آپ کا، بیگم کا اور بچوں کا فیملی فوٹو آویزاں ہے۔

یہ وہ کمرا ہے جس میں آپ آرام سے غفلت کی نیند سوتے ہیں لیکن سونے کے وقفے میں ہر وہ کام کرتے ہیں جو بیداری میں ہوتا ہے۔

اس سے بالکل الٹ کمرے میں ایک تخت ہے، اس کے اوپر بستر ہے، بستر پر دو تکیے ہیں اور زمین پر چٹائی بچھی ہوئی ہے۔

آپ کیا سمجھے یہ سب کیا ہے؟

ایک آدمی خالی کمرے میں سوتا ہے۔

دوسرا آدمی کمرے میں موجود پندرہ بیس چیزوں کے درمیان میں سوتا ہے۔ نیند کے دوران یہ چیزیں آپ کو بظاہر نظر نہیں آتیں لیکن ان کا عکس دماغ پر مسلسل پڑتا ہے۔ کمرے میں بہت ساری چیزیں ہونے سے الجھے ہوئے خواب نظر آتے ہیں۔ خالی کمرے میں چیزیں نہیں ہوتیں، دماغ ہلکا رہتا ہے۔

آپ کہیں گے کہ زندگی گزارنے کے لئے زیادہ چیزیں ہونا ضروری ہیں لیکن انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کمرے میں موجود ہر چیز کا عکس دماغ پر سایہ فگن ہے، اس لئے آدمی بھاری پن محسوس کرتا ہے۔ جس کمرے میں سامان کم ہے یا نہیں ہے، بھاری پن محسوس نہیں ہوتا اور نیند اچھی آتی ہے۔

**قانون:** دنیا اور دنیا کی ہر شے وجود ہے۔ وجود نہیں ہوگا تو شے نہیں ہوگی۔ شے کی موجودگی یہ ہے کہ اس کا عکس دماغ پر پڑتا ہے۔ عکس نہ پڑے، ذہن عکس قبول نہ کرے اور حافظہ اس شے کو یاد نہ رکھے تو آدمی کے لئے وہ شے عدم موجود ہوجاتی ہے۔

آدمی پیدا ہوتا ہے، ذہن صاف ہوتا ہے۔ جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا ہے دنیا کی چیزوں کی چھاپ پڑتی رہتی ہے۔ جب جوان ہوتا ہے، دنیا کا ریکارڈ اس کے حافظے میں نقش ہوجاتا ہے۔

آپ قریبی دوست کو ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔ کمرا سامان سے بھرا ہوا ہے، دوسرے آدمی کی گنجائش نہیں ہے۔ دوست کو کہاں رکھیں گے؟

کہاں سلائیں گے؟

کیسے راحت و آرام پہنچائیں گے؟

اس کے برعکس جس کمرے میں صرف پلنگ ہے، دوست آرام سے رہے گا اور سکون ملے گا۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ زندگی گزارنے کے لئے سامان ضروری نہیں ہے۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ سامان اتنا نہ ہو کہ کمرا کباڑ خانہ بن جائے۔

بات اہم ہے کہ کمرے میں جتنی اشیا ہیں سب کا عکس دماغ پر پڑتا ہے اور ہم ان سے بیداری اور نیند دونوں میں متاثر ہوتے ہیں۔ یہ سمجھنا کہ خواب

میں دیکھی ہوئی شے گزر جاتی ہے اور اس کا بوجھ نہیں پڑتا، شعور کے منافی ہے۔ اس کی مثال نیند میں آدمی کا خواب سے متاثر ہونا ہے۔ وہ چلتا پھرتا ہے، کھاتا پیتا ہے، گرمی سردی محسوس ہوتی ہے اور غسل واجب ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا ہمارے لئے بنائی ہے لیکن ہماری زندگی کا نقشہ بتاتا ہے کہ ہم دنیا کے لئے بنے ہیں۔ آپ کا دوست آپ کو قیمتی گھڑی امانتاً دیتا ہے۔ وہ جب چاہے، آپ سے لے سکتا ہے۔ آپ گھڑی سے محبت کرتے ہیں اور اس میں جان اٹکی ہوئی ہے۔ جس نے گھڑی دی ہے اس کی طرف ذہن نہیں ہے۔ یہ ناشکری اور احسان فراموشی ہے۔

فقرا کے گروہ میں ایک فقیر بندے کا کہنا ہے،

''دنیا کی ساری چیزیں استعمال کریں لیکن دنیا میں دل نہ لگائیں۔ خیال رکھیں کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بنائی ہے جب کہ ہماری صورت یہ ہے کہ ہم دنیا کی ہر شے استعمال کرتے ہیں، اس کی بڑی سے بڑی قیمت لگا دیتے ہیں لیکن جس نے یہ نعمت عطا کی ہے اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔ دل میں دنیا کے بجائے اللہ تعالیٰ کو بسائیے۔ جب دل میں اللہ تعالیٰ بس جاتا ہے تو دنیا بہت چھوٹی ہو جاتی ہے اور بندے کے سامنے کائنات سرنگوں ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مومن کا دل میرا گھر ہے۔''

بابا بُلھے شاہؒ فرماتے ہیں،

پھڑ نکتہ چھوڑ حساباں نوں
کر دور کفر دیاں باباں نوں
لاہ دوزخ گور عذاباں نوں
کر صاف دلے دیاں خواباں نوں
گل ایسے گھر وچ ڈھکدی اے
اک نقطے وچ گل مکدی اے
اینویں متھا زمین گھسائی دا
لماں پا محراب وکھائی دا
پڑھ کلمہ لوک ہسائی دا
دل اندر سمجھ نہ لیائی دا
کدی بات سچی بھی لکدی اے
اک نقطے وچ گل مکدی اے
اک جنگل بجریں جاندے نیں
اک داڑھ روزے کھاندے نیں
بے سمجھ وجود تھکاندے نیں
گھر موواں ہوکے ماندے نیں
اینویں چلیاں وچ جند مکدی اے
اک نقطے وچ گل مکدی اے
پھڑ مرشد عبد خدائی ہو
وچ مستی بے پروائی ہو
بے خواہش بے نوائی ہو
وچ دل دے خوب صفائی ہو
بُلھا بات سچی کدوں رکدی اے
اک نقطے وچ گل مکدی اے

# چار بھائی

ایک شہر میں باپ اور چار بیٹے رہتے تھے۔ باپ نے بیٹوں کی تربیت اس طرح کی تھی کہ چاروں بیٹے ایک ہی جان کے الگ الگ حصے تھے۔ سب میں ایثار تھا، سب میں محبت تھی اور سب ایک دوسرے کے کام آتے تھے۔ سب میں ماں کا خون دوڑ رہا تھا۔ مامتا ایک تھی، مامتا کے مظاہر چار تھے۔ چاروں گبرو جوان نکلے۔ جب زمین پر چلتے تو زمین اپنے وجود کو اور زیادہ پھیلا لیتی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ زمین ہی سب سے بڑی ماں ہے۔ جب بچوں نے زمین کی کوکھ کریدی تو زمین نے ان کے لئے خود کو لہلہاتے کھیت اور کھلیانوں میں تبدیل کر دیا۔

بیٹے جب اپنے اندر آگ کی تپش سے جھلسنے لگے تو انہوں نے اپنے باپ آدم کے سبق کو دہرایا۔ بالآخر یہ چاروں بیٹے آدم وحوا کے روپ بہروپ بن گئے۔ دو آدم اپنی حواؤں کو لے کر الگ ہو گئے۔ دو بھائی الگ نہیں ہوئے۔ بڑے بھائی نے سوچا کہ چھوٹا بھائی ابھی کم زور ہے۔ میرے اوپر فرض ہے کہ میں اس کی مدد کروں۔ بڑے بھائی نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ روزانہ گیہوں کی کوٹھی میں سے اتنا گندم نکال لیتا تھا جتنا روز کا خرچ تھا۔ چھوٹے بھائی نے سوچا کہ میں چھوٹا ہوں، بڑے بھائی کے اعصاب پر انحطاط آ گیا ہے، چھوٹا بھائی ہونے کے ناتے میرا فرض ہے کہ بھائی کی خدمت کروں۔ اس نے بھی یہ طریقہ اختیار کیا کہ روزانہ کا خرچ اپنے گیہوں کی کوٹھی سے بھائی کی کوٹھی میں ڈالنا شروع کر دیا۔

ایک سال گزرا، دو سال گزرے، تین سال گزر گئے۔ گھر خوش حال اور سکون کا گہوارہ تھا۔ چوتھا سال آیا، بڑے بھائی کی بیگم نے یہ کام کیا کہ بڑا بھائی چھوٹے بھائی کی کوٹھی میں جتنا گندم ڈالتا تھا وہ اس سے دگنا نکال لیتی تھی۔ چھوٹے بھائی کی بیوی نے سوچا کہ میرے شوہر کی کمائی بڑے بھائی کو جا رہی ہے۔ اس نے یہ کام کیا کہ اگر چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی کوٹھی میں ایک کلو گندم ڈالتا تو وہ چار کلو گندم نکال لیتی۔ ابھی ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ دونوں بھائی کنگال ہو گئے۔ (کتاب: صدائے جرس)

آسیہ روبی

# نرس ــــ؟

تم نرس ہو۔تمہیں کیا معلوم۔ڈاکٹر سے بات کراؤ۔ مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔انتہائی ہتک آمیز رویہ شمائلہ کے دل پر وار کر گیا۔مریضوں کی بات کا وہ برا نہیں مانتی تھی کیوں کہ جانتی تھی کہ مریض تکلیف میں ہے۔تکلیف میں آدمی کو ہوش نہیں ہوتا۔مگر ان کے گھر والے ہمیں حقیر کیوں سمجھتے ہیں ــــ؟

مشین میں ہر پرزے کی اہمیت اور مقام ہے۔ معمولی نظر آنے والی کیل یا گراری جگہ سے ہٹ جائے تو مشین رک جاتی ہے۔ طے نہیں کیا جا سکتا کہ مشین کا کون سا پرزہ زیادہ اہم ہے۔

معاشرہ بھی ایک مشین ہے۔افرادِ معاشرہ اس کے کَل پرزے ہیں۔ ہر فرد کے حقوق و فرائض ہیں۔ دیانت سے کام کرنے والا فرد تحسین اور احترام کا حق دار ہے کہ اس کی دیانت سے معاشرے میں استحکام قائم ہے۔ یہ مختصر کہانی سماج کی ایک قابلِ احترام فرد کی ہے جو ہماری خدمت کرتی ہے مگر ہم اسے وہ مقام نہیں دیتے، جو اس کا حق ہے۔

---

نجی اسپتال کے شعبۂ حادثات میں کوئی بستر مریض سے خالی نہیں تھا۔دیگر نرسوں کی طرح شمائلہ بھی صبح سے بھاگ دوڑ میں لگی ہوئی تھی۔کھانا کھانے کی فرصت نہیں تھی۔سر میں درد شروع ہو گیا تھا۔آٹھ گھنٹے کی شفٹ تھی مگر مریض معمول سے زیادہ اور نرسنگ اسٹاف کم ہونے کی وجہ سے اسے دو شفٹیں کرنی پڑیں۔

دوپہر کے تین بج رہے تھے۔گھر پر دو چھوٹے بچے ماں کے منتظر تھے۔ پریشانی تھی کہ بچوں نے اسکول سے آ کر کچھ کھایا ہوگا کہ نہیں۔گھر پہنچ کر انہیں ہوم ورک بھی کرانا تھا۔ اگلے ہفتے سے امتحانات تھے۔ بچوں کی خیریت معلوم کرنے کے لئے فون اٹھایا کہ ڈاکٹر نے بلا لیا۔

دس سال کا نرسنگ کا تجربہ اور مہارت کی وجہ سے حساس نوعیت کے کیس میں ڈاکٹر معاونت کے لئے اس کی موجودگی چاہتے تھے۔مریض کی حالت نازک تھی۔ تیز رفتاری کی وجہ سے گاڑی کو حادثہ پیش آیا تھا۔انتہائی نگہداشت کے کمرے میں منتقل کیا گیا۔عملہ متحرک تھا اور طبی امداد دی جا رہی تھی۔حالت سنبھلنے میں ایک گھنٹا لگا۔سب نے سکون کا سانس لیا۔شمائلہ نڈھال ہو کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

ڈاکٹر نے پوچھا، کھانا کھایا ہے ــــ؟ اس نے جواب دیا، نہیں۔ ڈاکٹر نے کہا، فوراً کھانا کھا کر آؤ۔ کچھ دیر جنرل وارڈ میں ڈیوٹی دینی ہے۔

ڈیوٹی تیسری شفٹ میں داخل ہو چکی تھی۔

❁

جنرل وارڈ میں ایک ضعیف خاتون صبح سے شور مچا رہی تھیں۔ ان کی بیٹی بھی غصے میں نرسوں کو ڈانٹ رہی تھی کہ میری والدہ کو اکیلا چھوڑ دیا گیا ہے۔

کسی نرس نے ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ لوگوں کی جھڑکیاں نرسوں کے لئے معمول کی بات تھی۔ وہ جانتی تھیں کہ مریضہ تکلیف میں ہے اس لئے غصہ ہو رہی ہے۔

اماں جی کو ڈرپ لگاتے ہوئے شائلہ نے سوچا کہ بڑے بزرگ درست فرماتے ہیں کہ آدمی حالات کے ہاتھوں میں کھلونا ہے۔ حالات جیسے چابی بھر دیتے ہیں وہ ویسا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جیسے یہ اماں جی بیماری سے مجبور ہو کر مجھے ڈانٹ رہی ہیں اور میں بچوں کے لئے پریشان، مجبوری سے ڈیوٹی دے رہی ہوں۔

رہ رہ کر بچوں کا خیال آ رہا تھا۔ وہ جلد از جلد گھر جانا چاہتی تھی لیکن حالات کا تقاضا تھا کہ وہ اسپتال میں موجود ہو۔ کبھی اس طرح کے دن آ جاتے تھے جب انہیں دو دو شفٹیں کرنی پڑتی تھیں۔

اماں جی سے پوچھا، گھر میں بچے ہیں ــــ؟

وہ بولیں، بالکل ہیں۔

کھانا کھا لیا ہے انہوں نے؟

ماشاء اللہ سب بڑے ہیں، شادی ہو چکی ہے۔ کھا لیا ہوگا کھانا۔ اب تو میں نانی دادی ہوں۔

شائلہ نے ڈرپ لگاتے ہوئے کہا، اماں جی! میرے بھی بچے ہیں اور وہ چھوٹے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم انہوں نے کھانا کھایا ہے کہ نہیں۔ ان کے ابو چھ بجے گھر آتے ہیں۔ میں کل رات سے ڈیوٹی دے رہی ہوں اور اس وقت شام کے ساڑھے چار بج رہے ہیں۔ پتہ نہیں میرے بچوں نے کیا کھایا ہوگا۔ آپ لوگ جب ہم سے سخت لہجے میں بات کرتے ہیں تو یہ ضرور سوچ لیا کریں کہ ہم بھی انسان ہیں۔

اماں کے ساتھ بیٹھی ان کی بیٹی شرمندہ ہو گئی جب کہ وہ خود خاموش تھیں۔ شائلہ جانتی تھی کہ اماں جی بیمار ہیں، اس کا مقصد ان کی بیٹی کو احساس دلانا تھا۔

❁

شام کو چھٹی ملی۔ اسپتال سے باہر آئی تو اندھیرا پھیل رہا تھا۔ تیز چلتے ہوئے بس اسٹاپ پر پہنچی۔ اسٹاپ پر کھڑے لوگ اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ دعا کر رہی تھی کہ جلدی سے بس آ جائے۔

مردوں کا عورتوں کو گھورنا انتہائی غیر اخلاقی حرکت ہے۔ ہر شخص کئی رشتوں اور ذمہ داریوں میں بندھا ہوا ہے۔ کام کے لئے گھر سے نکلتا ہے، گھورنے اور جملے کسنے سے لوگ ملازمت پیشہ خواتین کے لئے مشکل کھڑی کر دیتے ہیں۔ ہونا یہ چاہئے کہ جب عورت کام کے لئے گھر سے نکلے تو یہ سارے مرد گھورنے کے

بجائے باپ یا بھائی بن کر سوچیں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ ملازمت پیشہ خواتین کو ان کی وجہ سے اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں دشواری نہ ہو۔

بس کے انتظار میں اس نے اسٹاپ پر موجود پھل والے سے بچوں کے لئے آم خریدے۔ پیسے دیتے ہی بس آ گئی۔ وہ سیدھا بس میں بیٹھی۔ گھر پہنچی تو بچے بے تابی سے منتظر تھے۔ انہوں نے بتایا کہ پڑوس میں آنٹی نے کھانا دے دیا تھا۔ شمائلہ کے دل سے دعائیں نکلیں۔ پڑوسن کہے بغیر اس کی غیر موجودگی میں بچوں کا بہت خیال رکھتی تھی۔

گھر بکھرا ہوا تھا۔ جلدی سے چیزیں سمیٹیں۔ ایک ڈیوٹی اسپتال میں دی تھی اور ایک ڈیوٹی گھر کی تھی۔

شوہر کی آواز آئی — یہ کوئی وقت ہے گھر آنے کا۔ تم نہیں جانتی کہ بچے اور شوہر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ کھانا کون پکائے گا۔ کیا یہ کام بھی اب میں کروں گا؟

سلیم نے سرد نگاہ ڈال کر غصے کا اظہار کیا۔ دونوں مل کر اخراجات پورے کرتے تھے مگر کبھی کبھی وہ روایتی شوہروں کی طرح پیش آتا اور بھول جاتا تھا کہ اس کی بیوی نرس ہے۔ اور نرسوں کے کام کے اوقات عام لوگوں کی طرح نہیں ہوتے۔

وہ جواب دیئے بغیر کپڑے تبدیل کر کے باورچی خانے کی طرف بڑھی۔ سلیم نے تھکی ماندہ بیوی کو باورچی خانے میں کام کرتے دیکھا تو ترس آیا اور سوچا کہ یہ مجھ سے زیادہ کام کرتی ہے۔ گھر کا اور باہر کا بھی۔ خواہ مخواہ میں اسے پریشان کرتا ہوں۔

آگے بڑھا اور کھانا پکانے میں ہاتھ بٹایا۔

اگلے روز شمائلہ کی دن کی شفٹ تھی۔ آج ڈیوٹی انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں تھی۔ کل رات ایک جوان لڑکا داخل ہوا تھا۔

مجھے اپنے بھائی سے ملنا ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کیسا ہے۔ تم لوگوں پر یقین نہیں۔ مریض کے بھائی نے درشت لہجے میں کہا۔

تسلی رکھیں۔ وہ پہلے سے بہتر ہے۔ ابھی آپ اندر نہیں جا سکتے۔ شمائلہ نے سمجھایا۔

تم نرس ہو۔ تمہیں کیا معلوم۔ ڈاکٹر سے بات کراؤ۔ مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔ انتہائی ہتک آمیز رویہ شمائلہ کے دل پر وار کر گیا۔ مریضوں کی بات کا وہ برا نہیں مانتی تھی کیوں کہ جانتی تھی کہ مریض تکلیف میں ہے۔ تکلیف میں آدمی کو ہوش نہیں ہوتا۔ مگر ان کے گھر والے ہمیں حقیر کیوں سمجھتے ہیں —؟

تحمل سے بولی، یہ انتہائی نگہداشت کا وارڈ ہے۔ یہاں شور مت مچائیں۔ ڈاکٹر صاحب راؤنڈ پر آنے والے ہیں۔ مریض کا بھائی نرسوں کی موجودگی سے مطمئن نہیں تھا اور مسلسل برس رہا تھا۔ حفاظتی عملے کو بلایا گیا تب جا کر وہ خاموش ہوا۔

ایک نرس نے کہا، ہمارے لئے مریض اتنا اہم ہے

جتنا ڈاکٹر کے لئے ہے۔ہمیں بھی عزت ملنی چاہئے جیسے ڈاکٹروں کو دی جاتی ہے۔

دوسری نے کہا، یہ لوگ اپنے رویے کو درست سمجھتے ہیں، اسی لئے بدتمیزی کرتے ہیں۔

شائلہ کو دکھ ہوا۔ابا اسے ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے۔ان کی چھوٹی دکان تھی۔آمدنی کم اور زیر کفالت بچوں کی تعداد زیادہ تھی۔بہن بھائیوں میں لائق ہونے کی وجہ سے ابا کو اس سے بہت امیدیں تھیں۔

جب میڈیکل میں داخلے کا وقت آیا تو جیب تنگ اور اخراجات زیادہ تھے۔اس نے نرسنگ میں داخلہ لے لیا اور ابا سے کہا، نرس بھی ڈاکٹر کی طرح اہم ہوتی ہے۔میں نرس بنوں گی۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ ابا مایوس ہوں۔انہیں یقین دلایا کہ اسے ڈاکٹر نہ بننے پر افسوس نہیں ہے، نرسیں تو انسانیت کی خدمت کرتی ہیں۔ان کے بغیر اسپتال کیسے چل سکتا ہے۔جیسے جسم میں ہاتھوں اور پیروں کی اہمیت ہے اسی طرح نرسنگ کا شعبہ علاج کے ہاتھ پیر ہیں۔

نرسنگ کے امتحانات میں پوزیشن حاصل کی۔اچھے اسپتال میں نوکری ملی۔گھر میں سب بہت خوش تھے۔

امی کہتی تھیں — بیٹا! ہر عورت کے اندر ایک نرس چھپی ہوئی ہے۔خدمت کا جذبہ عورت کی گھٹی میں ہے۔رب تعالیٰ کو عاجزی کے ساتھ خدمت کرنے والے لوگ پسند ہیں۔

❁

محلے میں لوگ شائلہ کو پسند نہیں کرتے تھے۔جب آدمی خود ساختہ معیار بنا لیتا ہے تو کسی کے آگے جھکتا ہے یا کسی کو اپنے سے کم سمجھتا ہے۔

محلے میں کسی کو چوٹ لگی تو اس نے انسانیت کے ناتے اپنا فرض ادا کیا اور مرہم پٹی کی۔انجیکشن لگوانا ہوتا یا فوری طبی امداد کی ضرورت پڑتی تو وہ پیش پیش رہتی۔

ایک محلے دار شاہد صاحب اسے ناپسند کرتے تھے۔گھر کی خواتین کو ہدایت تھی کہ شائلہ سے دور رہیں۔شائلہ کی شفٹ تبدیل ہوتی رہتی تھی۔شاہد صاحب کو ناگوار گزرتا تھا کہ یہ دن میں نوکری کیوں نہیں کرتی۔

شائلہ تک یہ باتیں پہنچتی تھیں لیکن اس نے پروا کرنا چھوڑ دی تھی۔اسے بچوں کا پیٹ پالنا تھا۔کسی کی باتوں سے کیا لینا دینا!

ایک رات شاہد صاحب کی بہو کی طبیعت خراب ہوگئی۔وہ دردِزہ میں مبتلا تھی۔اسپتال پہنچنا مشکل تھا۔وہ بدحواسی کے عالم میں ننگے پیر گھر سے باہر نکلے۔رخ شائلہ کے گھر کی طرف تھا۔شائلہ آج جلدی گھر آ گئی تھی۔تھکن اتارنے کے لئے بستر پر لیٹی تھی کہ کسی نے زور سے دروازہ بجایا۔

کوئی کہہ رہا تھا کہ اللہ کے واسطے میری بہو کو بچالو۔

سلیم نے دروازہ کھولا اور شائلہ کو آواز دی۔

شاہد صاحب کو دیکھ کر شائلہ چونک گئی۔

میری بہو کو بچالو۔وہ مرجائے گی۔

یہ وہی شاہد صاحب تھے جنہوں نے شائلہ کی وجہ سے

سلیم کی محلے والوں کے سامنے تذلیل کی تھی، ہمیشہ کردار کشی کرتے تھے مگر اس وقت پریشانی کی تصویر بنے منت سماجت کررہے تھے۔

بیٹا سلیم! شائلہ بیٹی سے کہو کہ میرے ساتھ چلے۔ بہو کی حالت بہت خراب ہے۔

سلیم نے شائلہ کی طرف دیکھا اور دروازے سے ہٹ گیا۔ شائلہ کچھ کہے بغیر اندر چلی گئی تو شاہد صاحب رو پڑے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ساتھ نہیں جائے گی۔

چند لمحوں بعد شائلہ طبی امداد کا باکس لے کر آئی اور چادر اوڑھتے ہوئے کہا، جلدی چلیں، معاملہ بگڑ نہ جائے۔ شاہد صاحب کو یقین نہیں آیا۔

ایک پل کو شائلہ کا دل چاہا کہ کہے رات کو مدد کے لئے بلانے کیوں آئے ہیں مگر ابا کی بات یاد آئی — کسی کو مجبور دیکھ کر باتیں سنانا کم ظرفی ہے۔ انتقام کی آگ بندے کو راکھ کردیتی ہے۔ جو دکھ دے، اس کو معاف کردو۔ اللہ معاف کرنے والوں اور خدمت گزار لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

سلیم کے چہرے پر اطمینان تھا۔ اسے اپنی بیوی کی انسان دوست طبیعت پر فخر محسوس ہوا۔

شائلہ اسپتال میں زچگی کے وارڈ میں کام کرچکی تھی اس لئے تجربہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد کمرے سے باہر آئی اور کہا، بیٹا ہوا ہے۔ ماں اور بچہ دونوں خیریت سے ہیں۔ آپ کو مبارک ہو۔

شاہد صاحب اور ان کی بیگم کو سمجھ میں نہیں آیا کہ شکریہ کیسے ادا کریں اور کس طرح سابقہ رویے پر معافی مانگیں۔ انہوں نے شائلہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا، بیٹی! ہوسکے تو باپ کی جگہ سمجھ کر میری غلطیاں معاف کردینا۔ تمہارے ساتھ بہت ناانصافی کی ہے۔ میں شرمندہ ہوں۔

سکون اور خوشی نے شائلہ کا احاطہ کرلیا۔

گھر واپس آتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ آدمی محبت، خدمت اور ہمدردی سے لوگوں کے دل جیت سکتا ہے۔ اگر میں انکار کردیتی تو میری وجہ سے دو جانیں ضائع ہوسکتی تھیں۔ اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق دی اور ایسے ماں باپ عطا کئے جنہوں نے اچھی تربیت کی، بہادر بنایا اور سکھایا کہ دنیا کچھ بھی کہے — تم نیک فطرت پر قائم رہنا۔

اپنے اندر تلاش کرنے سے علم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے علاوہ یہاں کچھ نہیں ہے۔ روحانیت سکھاتی ہے کہ زندگی اللہ تعالیٰ کا چاہنا ہے اس لئے خود کو اللہ کے سپرد کریں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر غور کرنا، تخلیقی فارمولوں کا علم سیکھنا، اللہ تعالیٰ کی نشانیاں تلاش کرنا اپنے اندر، زمین کے اوپر، زمین کے اندر، آسمان میں، اور کہکشانی نظاموں میں تفکر کرنا اور باہر کے بجائے اندر میں دیکھنا روحانی سبق ہے۔

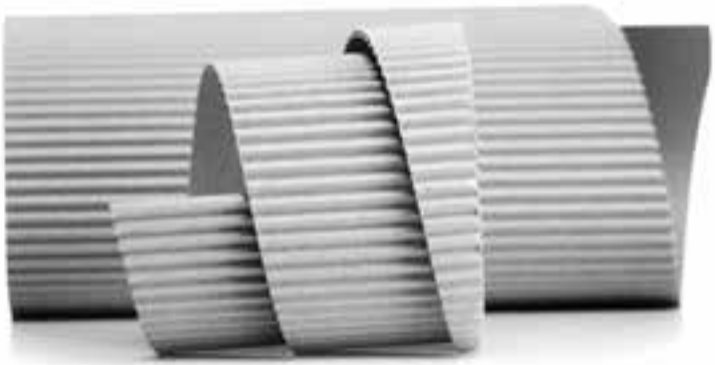

**Manufacturer of**
**Liner & Floating Paper**

# PRIME PACK INDUSTRIES

**C-21, S.I.T.E, Hyderabad**
**Tel: 022-3880627**
**Fax: 022-3880381**

محمد عدنان خان

# پورب کے ہم زاد

رنگ و چمن، عروج و زوال، عشق و سرمستی اور فنا و بقا کے رنگوں سے معمور صدیوں پر محیط داستان جس کی مکانیت تبت کی فلک بوس چوٹیوں سے لے کر ٹیکسلا کی سرسبز وادیوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

ردا کا تعلق عرب نژاد پاکستانی خاندان سے تھا۔ پاکستان میں اپنی دوست نیلم کے گھر ذکر و فکر کی محفل میں ردا کی بزرگ سے ملاقات ہوئی جن کی توجہ نے طبیعت میں روحانیت کی طرف میلان پیدا کر دیا۔ والد کے تبادلے کی وجہ سے ردا اور نیلم کے درمیان رابطہ منقطع ہو گیا۔ ردا نے برطانیہ کی ایک یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ یہاں کاربن ڈیٹنگ کے پروفیسر جی آر چوہان کے لئے ردا کی شخصیت معمّا تھی جسے جاننے میں وہ ناکام رہے۔ یونی ورسٹی کی تعلیم کے بعد جب پی ایچ ڈی آخری مراحل میں تھی تو ردا کے والد کا پھر پاکستان تبادلہ ہو گیا۔ اس نے تھیسز مکمل کرنے کے لئے ٹیکسلا کے آثارِ قدیمہ کا انتخاب کیا جہاں صدیوں پرانی داستان صفحۂ قرطاس پر ظاہر ہونے کے لئے ردا کی منتظر تھی۔ اسے ٹیکسلا میں صدیوں پرانے کشان دورِ حکومت کا شہزادہ ملا جو اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ ردا کو شہزادے سے دور رکھنے کے لئے مکروہ صورت بوڑھا بجرو لال سامنے آیا اور پریشانیوں کا آغاز ہوا۔ بزرگ سے ملاقات کر کے وہ سہیلی کے ہمراہ گھر جا رہی تھی کہ راستے میں بجرو لال کی وجہ سے حادثہ پیش آ گیا جس میں سہیلی بچ گئی لیکن ردا کوما میں چلی گئی۔ اس دوران ردا کے اندر سے روشنی کا ایک پرت نکلا اور ماضی میں سفر کرتے ہوئے اسے ہزاروں سال پہلے لے گیا۔ اب آگے پڑھئے۔

---

سرپ ککولا ناگ کے جسم سے ہیولا نکلا اور آدمی کی شکل اختیار کر لی — روبرو نہایت حسین شخص مجھ سے مخاطب تھا۔ بی بی! آپ کے احسان کا بدلہ ممکن نہیں۔ کچھ تحائف خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ قبول کر کے شکریہ کا موقع دیں۔

سانپ سے آدمی بننے والے شاہ سرپ کا اندازِ گفتگو شاہانہ تھا۔ خوش گوار حیرت سے اثبات میں سر ہلایا تو سانپوں کے درمیان میں سے دودھیا رنگ سانپ بل کھاتا ہوا قریب آیا اور عصا پر چڑھنے لگا۔

افریقی بلیک مامبا کی شباہت رکھنے والے اس سانپ کی جسامت میرے عصا کے برابر تھی۔ منہ میرے ہاتھ سے مس ہوا تو خوب صورت نقش و نگار اور قیمتی پتھروں سے جڑے عصا میں وہ اس طرح ضم ہو گیا جیسے باقاعدہ عصا پر تراشا گیا ہو۔ حیران کن بات یہ تھی کہ عصا کے

وزن میں اضافہ نہیں ہوا البتہ خوب صورتی دو چند ہوگئی۔

شاہ سرپ دل نشین مسکراہٹ کے ساتھ عصا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں سمندری سانپ کا سنگِ سر اور بائیں ہاتھ میں خاص نسل کے کلا دھاری سانپ کا منکا تھا۔

شاہ سرپ نے آگے بڑھ کر سنگِ سر کو میری ابروؤں کے درمیان رکھ کر ہلکا سا دبایا تو وہ کھال میں سما گیا اور تل بن کر ہلکے ابھار کے ساتھ محسوس ہوا۔ چمک دار سرمئی منکا بظاہر دھات کا ٹکڑا تھا لیکن جب دائیں ہتھیلی پر رکھا گیا تو طاقت ور مقناطیس کی مانند چپک گیا۔

شاہ سرپ احترام سے سر جھکا کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولا، بی بی! آج سے روئے زمین پر رہنے والے تمام سانپ آپ کے مطیع ہیں۔ پھر عصا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ''سرپ پندورا'' آپ کا خادمِ خاص اور منکے کی طرف اشارہ کیا کہ یہ ہر قسم کے زہر کا تریاق ہے۔ جسم سے زہر ایسے نکالتا ہے جیسے جونک خون چوستی ہے۔ مجھے گمان ہوا کہ یہ سب خواب ہے۔

بات مکمل کر کے وہ دوبارہ ناگ کی شکل میں آ گیا۔

میں سہم گئی۔

شاہ سرپ ککولا کے جسم کے ساتوں ناگ رینگتے ہوئے سات چھوٹے غاروں میں چلے گئے۔ باقی سانپ بھی تیزی سے چھوٹے چھوٹے بلوں میں داخل ہونے لگے۔ کچھ نے غار سے باہر کا رخ کیا۔

غار کے دہانے پر صبح کے آثار نمودار ہونے لگے۔ تیزی سے باہر آئی اور گھر کی جانب قدم بڑھائے۔ اس وقت آیوشی اور بھرگوی سے سامنا ہوتا تو وہ پریشان ہو جاتیں کہ میں کہاں سے آ رہی ہوں۔ ان کے جاگنے سے پہلے لوٹنا چاہتی تھی۔ ذہن عجیب تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ وجہ جاننے سے قاصر تھی۔ شاید ابروؤں کے درمیان تل کی مانند سنگِ سر یا سبب منکا تھا جسے میں کلائی پر منتقل کر چکی تھی۔

زمین پر جا بجا سانپ تھے اور سب میرے لئے راستہ خالی کرتے جا رہے تھے۔ رخ مسکن کی جانب تھا۔ مناظر فلم بن کر دماغ میں گھومنے لگے کہ کس طرح بزرگ خاتون شہزادہ جے ونت کی جان بچانے کی سر توڑ کوشش کر رہی تھیں۔ شہزادے کی آنکھیں بند تھیں۔ پھر لچھاوی کا پنجہ (جس کے ناخنوں کی چبھن ایک بار پھر چہرے پر محسوس ہونے لگی) آنکھوں کے سامنے آیا اور منظر دھندلا ہو گیا— اور میں ماورائی کیفیات کے زیر اثر سانپوں کی بستی میں پہنچ گئی۔

جوبی پہاڑ کی چوٹی پر واقع عبادت گاہ کے نزدیک (جو میرا مسکن تھا) پہنچی تو دور سے آیوشی اور بھرگوی کے ہمراہ کسی صاحب کو کھڑے دیکھا۔ تینوں کی نگاہیں داخلی دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ دل زور سے دھڑکا کہ صبح صادق کے وقت کون آ گیا۔

قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ شاہی طبیب ہے۔ باطنی

نگاہ سے اسے شاہی محل میں دیکھ چکی تھی اس لئے پہچان لیا۔ یقیناً وہ خاص مقصد سے آیا تھا۔

آیوشی نے کہا، بی بی جی! بزرگ ماں نے آپ کو محل میں یاد کیا ہے۔ یہ شاہی طبیب ہیں۔ آپ کو لینے آئے ہیں۔ طبیب نے کہا، شہزادے کی حالت نازک ہے۔ آپ کو ابھی میرے ساتھ چلنا ہوگا۔

شہزادے کو کیا ہوا—؟ بزرگ ماں نے تو ان کے جسم سے زہر نکالنا شروع کر دیا تھا۔ روانی میں باطنی آنکھ سے دیکھا ہوا منظر بیان کر گئی۔

شاہی طبیب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ خوف زدہ لہجے میں بولا، آپ کو کیسے اطلاع ملی؟

نظر انداز کرتے ہوئے آیوشی کو اشارہ کیا کہ سانبھر کو تیار کرے، اور شاہی طبیب سے کہا، آپ چلیں— میں بھی پہنچتی ہوں۔

میری رفتار کا ساتھ دینا شاہی طبیب اور اس کے گھوڑے کے لئے ناممکن تھا۔ ویسے بھی اس کو یہاں تک پہنچنے میں خاصا وقت لگا تھا۔ نہ جانے کیا معاملہ ہو گیا کہ بزرگ خاتون کو میری ضرورت محسوس ہوئی حالاں کہ وہ طب میں ماہر ہیں۔ آنکھ بند کر کے دیکھنے کی کوشش کی— کچھ نظر نہیں آیا۔

شاہی طبیب کے روانہ ہوتے ہی سانبھر کی باگیں سنبھالیں اور ہوا کے دوش پر محل کا رخ کیا۔

محل کے دروازے فوراً کھول دیئے گئے۔ گویا دربان میری اور شاہی طبیب کی آمد کے منتظر تھے۔ مجھے اکیلے دیکھ کر ان کی سوالیہ نگاہیں میرے پیچھے دور تک شاہی طبیب کو تلاش کرتی رہیں۔ کسی نے سوال نہیں کیا اور خاموشی سے راستہ چھوڑ دیا۔ سانبھر مجھے محل کے اس حصے میں لے گیا جہاں بزرگ ماں شہزادے کی جان بچانے میں مصروف تھیں۔

ہال نما کمرے میں سب کچھ ویسا تھا جیسا خواب میں دیکھا تھا۔ بادشاہ کنزل کڈ فیزز دیوار کی طرف منہ کئے کھڑا تھا۔ چہرے پر بیٹے کو کھونے کا خوف اور وحشت طاری تھی۔ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ مطمئن لچھاوی بھی موجود تھی۔ اس کا خیال تھا کہ بزرگ ماں ناکام ہو چکی ہیں۔

جراح کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ مدد کے لئے کھڑے دو خادم موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا شہزادے کو دیکھ رہے تھے۔ شہزادے کے جسم کو زہریلے خون سے پاک کرنے کے لئے لگائی گئی سوئی نکالی جا چکی تھی۔ وہ سیدھا لیٹا ہوا تھا۔

نظر ٹھہرتے ہی اس کا نسمہ (روشنی کا جسم) میرے سامنے آیا جو تقریباً سیاہی مائل ہو چکا تھا۔

بزرگ ماں شہزادے کے سرہانے بیٹھی دعا گو تھیں۔ انہوں نے واضح کر دیا تھا کہ میں صرف کوشش کر سکتی ہوں، زندگی اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ دعا کریں کہ اللہ شہزادے کو صحت عطا کرے۔

انسان کے ہاتھ میں کوشش ہے۔کوشش کے پیچھے یقین کی قوت برسرِ پیکار ہوتو آفاق وافلاک سے صادر ہونے والے فیصلے — یقین کے مطابق ہوتے ہیں۔

بزرگ ماں نے مجھے دیکھتے ہی قریب بلایا۔ یہ میری ان سے پہلی ملاقات تھی۔ پاس گئی تو وہی مترنم آواز کانوں میں گونجی جو میں کئی بار سن چکی تھی۔شدید حیرت کا جھٹکا لگا۔ میری راہ نمائی کرنے والی مدھر اور مترنم آواز بزرگ ماں کی تھی۔وہ سرپ ککولا کی جانب سے پیش کیا جانے والا منکا شہزادے کی ناف پر رکھنے کا کہہ رہی تھیں۔اور مجھے ساری کہانی سمجھ میں آگئی کہ میں نیند سے جاگ کر سانپوں کی بستی میں کیوں گئی تھی۔

ہاتھ میکانکی انداز میں منکا کی طرف گیا اور کلائی سے اتار کر شہزادے کی ناف پر رکھ دیا۔

منکا ناف سے ایسے چپکا جیسے مقناطیس لوہے سے چپک جاتا ہے۔شہزادے کے جسم سے زہر ناف کی طرف آنا شروع ہوا۔منکا نے زہر اس طرح جذب کیا جس طرح سوکھی مٹی پانی کی بوندیں جذب کرتی ہے۔

بزرگ ماں نے ہتھیلی شہزادے کی پیشانی پر رکھ دی۔ ایک طرف سے زہر نکل رہا تھا اور دوسری طرف بزرگ ماں کے ہاتھوں سے نکلنے والی صحت بخش لہریں شہزادے کے جسم میں خلا پُر کر رہی تھیں۔

چوں کہ جسم میں زہر زیادہ تھا اس لئے شہزادے کی قوتِ مدافعت کم زور ہونے کی وجہ سے لہریں منتقل کرنے کا عمل پہلے کارگر نہیں ہوا۔منکا کے ذریعے زہر نکلا اور مشکل آسان ہوگئی۔

پریشان حال بادشاہ قریب آیا اور بیٹے کے نیم مردہ وجود کو بے یقینی سے دیکھنے لگا۔ بزرگ خاتون کے چہرے پر اطمینان آگیا۔ جو منظر ہم دونوں دیکھ رہے تھے، وہ بادشاہ کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔کبھی وہ میری طرف دیکھتا کبھی بزرگ ماں کی طرف۔ لچھاوی کے چہرے سے طنزیہ مسکراہٹ غائب ہوچکی تھی۔اس نے شہزادے کے جسم میں تبدیلی محسوس کرلی تھی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد شہزادے کا تبسم روشن ہوا۔ منکا کا رنگ گہرے سرمئی رنگ سے سیاہی مائل سبز ہوچکا تھا جسے بزرگ خاتون نے کپڑے کی مدد سے شہزادے کی ناف سے اٹھایا اور پانی سے بھرے بلوریں برتن میں ڈال دیا— دیکھتے ہی دیکھتے پانی گہرا سبز ہوگیا۔

بادشاہ کڈفیز زپلکیں جھپکانا بھول گیا۔

متحیر لہجے میں پوچھا، یہ سب کیا ہے؟

بزرگ ماں نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، آپ کو بی بی کا شکر گزار ہونا چاہئے جن کے وسیلے سے اللہ نے شہزادے کو نئی زندگی عطا کی ہے۔

بزرگ ماں نے بڑی خوب صورتی سے کام یابی میرے کھاتے میں ڈال دی حالاں کہ میرا کردار محدود تھا۔شہزادہ بے ہوشی کے عالم میں بستر پر بے سدھ پڑا تھا مگر اب چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

بزرگ ماں منکا صاف کرکے میری جانب بڑھاتے ہوئے بولیں، بادشاہ سلامت! اب ہمیں اجازت

دیں۔اللہ نے چاہا تو کل صبح تک شہزادے کو ہوش آجائے گا۔شاہی طبیب قابل ہیں، باقی معاملہ سنبھال لیں گے۔اللہ کے فضل سے شہزادے کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ بیٹے کی زندگی مبارک ہو۔

بادشاہ کو اندازہ نہیں تھا کہ بزرگ ماں شہزادے کے ہوش میں آنے سے پہلے جانا چاہیں گی۔ وہ شش و پنج کا شکار تھا۔ شاہی طبیب ہانپتے کانپتے کمرے میں داخل ہوا۔ مجھے دیکھ کر حیرت سے بولا، آپ کب پہنچیں—؟ پھر شہزادے کے رنگ و روپ کو غور سے دیکھا۔

آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

بادشاہ کڈفیز نے گمبھیر آواز میں کہا، شہزادے کے جسم سے زہر کی بڑی مقدار نکل گئی ہے (برتن کی طرف اشارہ کیا)۔ان کا کہنا ہے کہ اب خطرے کی کوئی بات نہیں۔آگے آپ سنبھال لیں گے۔

پھر بزرگ ماں سے کہا، شہزادے کے ہوش میں آنے سے پہلے آپ کے جانے کی وجہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ ہمارے فرزند اور سلطنت کے ولی عہد کی زندگی پر موت نے پنجے گاڑے ہوئے ہیں۔

بادشاہ کے لہجے کی تیزی بھانپتے ہوئے شاہی طبیب نے معاملہ سنبھالا۔ بادشاہ سلامت! رعایا کی بڑی تعداد علاج معالجے کے لئے ان سے رجوع کرتی ہے۔ان کی یہاں موجودگی سے لوگ اپنے پیاروں کے علاج کے لئے پریشان ہیں۔عجلت کی وجہ اور کیا ہوسکتی ہے۔شاہی مہمان ہونا اعزاز ہے۔ طبیب کی حیثیت سے میں گزارش کروں گا کہ دونوں معزز مہمان شہزادے کی حالت سنبھلنے تک محل میں قیام کریں۔

بزرگ ماں رعب میں آئے بغیر میری جانب دیکھتے ہوئے اٹل لہجے میں بولیں، ٹھیک ہے! میں شہزادے کی طبیعت سنبھلنے تک یہاں موجود ہوں۔آپ کا کام ختم ہو چکا ہے، آپ روانہ ہو جائیں۔عبادت گاہ خالی نہیں چھوڑی جاسکتی۔

لچھاوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی، ہوشیاری سے جانا، جنگل میں درندے گھات لگائے بیٹھے ہیں۔

لچھاوی بزرگ ماں کی نگاہوں کی تاب برداشت نہ کرسکی اور سٹپٹا گئی۔شاہی طبیب نے الفاظ میں چھپی تنبیہ سمجھتے ہوئے کہا، بادشاہ سلامت کی اجازت سے حفاظت کے لئے سپاہی ساتھ بھیج دیتا ہوں۔

میں نے چولا اور عصا سنبھالتے ہوئے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا اور کہا، اس کی ضرورت نہیں۔میری حفاظت کرنے والا اللہ ہے۔

بادشاہ کنزل کڈفیز کا بزرگ خاتون کو روکنے پر اصرار شہزادے کی حالت کے پیش نظر ٹھیک تھا۔

بزرگ خاتون کی محل سے جانے کی خواہش بلا سبب نہیں تھی۔ وہ شہزادے کے ہوش میں آنے سے پہلے جانا چاہتی تھیں گویا آنے والے حالات کا ادراک تھا۔

میں سانبھر پر سوار عبادت گاہ کی جانب محو سفر تھی۔ ہر سو تیز دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ بزرگ ماں نہ چاہتے ہوئے

محل میں رک گئی تھیں۔ ان کی تنبیہ کے پیش نظر میں خبردار تھی۔ سانبھر کے کان مسلسل حرکت میں تھے اور چال بھی عام حالات سے مختلف تھی۔ لگتا تھا ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھا رہا ہے۔ جنگل بیابان میں دور دور تک کسی ذی نفس کی موجودگی بعید از قیاس محسوس ہوئی۔ جیسے آنے والے طوفان سے پہلے ماحول پر گہرا سکوت چھایا ہو اور جنگل کے باسی آنے والے حالات کی وحشت سے کوچ کر گئے ہوں۔

نصف سے کم سفر طے ہوا تھا کہ ہلکی آوازیں آنا شروع ہوئیں جیسے لٹو کی مانند کوئی چیز تیزی سے گھوم رہی ہو۔ آواز سانبھر نے بھی سنی مگر رفتار کم نہیں کی۔ وہ جلد از جلد عبادت گاہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ ایک اونچی جگہ کو پھلانگتے ہی آس پاس منظر بدل گیا۔ دائیں بائیں آگے پیچھے ساری سمتیں آئینہ بن گئیں جس میں ہمارے کئی عکس تھے۔ کچھ عکس ہم سے فاصلے پر اور کچھ قریب دوڑ رہے تھے۔ ان میں حقیقی کون سا تھا اور مجازی کون سے، اندازہ لگانا مشکل تھا۔ راستے ایک دوسرے میں خلط ملط ہو گئے۔ کچھ وقت کے لئے فہم نے کام کرنا چھوڑ دیا اور میں فیصلہ نہیں کر سکی کہ کون سا راستہ اختیار کروں۔

سانبھر کی حالت مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ کبھی ایک طرف دوڑتا اور کبھی دوسری طرف۔ غرض جس طرف جاتا، کچھ عکس ہمیں دھوکا دینے کے لئے متضاد رخ اختیار کر لیتے۔ کوشش کی کہ عکس پر توجہ نہ جائے لیکن سارا منظر ہمارے سامنے آئینہ بن گیا تھا جس میں ہم خود کو دیکھ رہے تھے۔ سانبھر جس طرف جاتا، گھوم پھر کر اپنے آپ کو اسی مقام پر دیکھتا۔ دھوپ ڈھل چکی تھی اور سائے بڑھ رہے تھے۔ احساس ہوتا کہ کوئی آنے کی کوشش میں ہے اور حملہ کرنے کے درپے ہے مگر میں دفاع کیسے کروں جب دشمن نظر نہ آئے۔ آئینے کا اثر توڑنے کے لئے کئی بار عصا ہوا میں لہرایا، فضا میں لکیریں نمودار ہوتیں جیسے آئینے پر دراڑیں آ گئی ہوں پھر غائب ہو جاتیں۔ گویا عصا ''طلسم آرسی'' کو توڑنے میں ناکام تھا۔ میں بے بس، غیب سے مدد کی منتظر تھی۔

ہلکی ہلکی قرأت سنائی دینے لگی۔ آواز واضح ہوتی گئی اور معلوم ہوا کہ سورۃ القیٰمۃ کی ابتدائی آیات کی مسلسل تلاوت کی جا رہی ہے۔

''نہیں، میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔ اور نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔ کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے؟ کیوں نہیں! ہم تو اس کی انگلیوں کی پور پور ٹھیک بنا دینے پر قادر ہیں۔ مگر انسان چاہتا یہ ہے کہ آگے بھی بداعمالیاں کرتا رہے۔ پوچھتا ہے کہ آخر کب آنا ہے وہ قیامت کا دن؟ پھر جب بصارت پتھرا جائے گی اور چاند بے نور ہو جائے گا اور چاند سورج ملا کر ایک کر دیئے جائیں گے، اس وقت یہی انسان کہے گا، کہاں بھاگ کر جاؤں؟ ہرگز نہیں! وہاں کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔'' (القیٰمۃ: ۱-۱۱)

(قسط: ۱۱)

ادارہ

# اولی الالباب بچے

اللہ تعالیٰ چھپا ہوا خزانہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مخلوق مجھے پہچانے تو محبت سے مخلوق کو تخلیق کیا اور کائنات بنائی۔ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے واقف ہونے کی نشانیاں ہیں۔ جو چھوٹے اور بڑے بچے غور و فکر کرتے ہیں وہ اولی الالباب (عقل و دانش والے) کہلاتے ہیں۔ بچو! ذہن استعمال کریں، سوچیں اور جو جواب ذہن میں آئے، ہمیں بھیج دیں۔ ہمارا پتہ ہے: بچوں کا قلندر شعور، عظیمی محلّہ، سرجانی ٹاؤن، کراچی۔

---

پیارے بچو، السلام علیکم!

سادہ سفید کاغذ اور رنگین پنسلیں لے کر بیٹھ جائیں۔ بہن بھائی اور گھر کے دیگر افراد مشق میں شامل ہو سکتے ہیں۔ ہر فرد کا الگ کاغذ ہونا چاہئے۔ سرخ رنگ سیب کا تصور کریں جس سے جڑے ہوئے ڈنٹھل پر سبز رنگ کا پتّا ہے۔ تصور واضح ہو جائے تو ذہن میں بننے والی تصویر کاغذ پر بنانے کی کوشش کریں۔ ذہن میں موجود سیب کاغذ پر بن جائے تو سرخ رنگ کی پنسل سے تصویر میں رنگ بھریں۔ ذہن میں ڈنٹھل اور پتّے پر جو رنگ آپ نے دیکھا، اسے تصویر میں بھر دیں۔ تصویر مکمل ہو جائے تو ایک دوسرے کو اپنی اپنی تصاویر دکھائیں۔ آدھی مشق ختم ہوئی۔ اب اگلے حصے پر آیئے۔ سب نے مشق کی۔

★ کیا سب کی بنائی ہوئی تصویریں ایک جیسی ہیں؟ ★ سیب ایک ہے پھر تصویریں الگ الگ کیوں ہیں؟

★ کاغذ پر سیب آپ نے بنایا— تصور میں سیب کس نے بنایا؟ ★ ذہن میں سیب کی تصویر کیسے آئی؟

★ تصور میں جو سیب نظر آیا، کیا یہ وہی ہے جو کاغذ پر ہے؟

عزیز دوستو! تصاویر اور جواب 20 جون تک ارسال کر دیں۔

راز کی بات: تصویر بنانے کے دوران دھیان تصور پر رکھنے سے تصویر اچھی بنے گی۔

**************

**مارچ 2020ء میں بچوں سے سوال کیا گیا تھا کہ کیا آپ نے روح دیکھی ہے؟ پانی پینے کے لئے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں یا کھیلنے کے دوران دوڑتے ہیں تو ہاتھوں اور پیروں کو حرکت کون دیتا ہے؟**

- ◇ وریشہ (لاہور): مراقبہ میں اندر دیکھنے سے مجھے اپنا آپ پتلا محسوس ہوا جیسے پتلی تماشا میں ہوتا ہے۔ ہم ایک بار پتلی تماشا دیکھنے گئے تھے۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ پتلیاں باتیں کر رہی ہیں، ہنس رہی ہیں، کھیل رہی ہیں۔ پھر دادی جان نے بتایا کہ وہ دیکھو! ڈوریاں ہل رہی ہیں۔
- ◇ ارمغان احسن (کراچی): مراقبہ کر کے جواب پر غور کیا۔ ہم مٹی کے پتلے ہیں۔ پتلے میں اللہ نے روح پھونکی۔ گلاس کی طرف ہاتھ ہم نہیں بڑھاتے، روح بڑھاتی ہے۔ روح حرکت کرتی ہے تو سب سمجھتے ہیں کہ جسم نے حرکت کی ہے۔ جواب تلاش کرنے میں امی نے مدد کی ہے۔
- ◇ اریبہ، جماعت نہم (فیصل آباد): جی ہاں! ہم سب نے روح دیکھی ہے لیکن اس دنیا میں آنے کے بعد اسے بھول گئے ہیں۔
- ◇ عائشہ سلطان (کراچی): میں نے روح نہیں دیکھی۔ ہمیں روح حرکت دیتی ہے۔ سورج اور چاند کو کون حرکت دیتا ہے؟ کیا ان کے اندر بھی روح ہوتی ہے؟ وہ بھی ہماری طرح مخلوق ہیں اور مخلوق کھانا کھاتی ہے، پانی پیتی ہے۔ کیا چاند سورج بھی کھانا کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں؟
- ◇ فرحین، جماعت ہفتم (فیصل آباد): روح ہمارے اندر ہے۔ ہم اسے دیکھ سکتے ہیں لیکن ابھی میں اپنے اندر ان روشنیوں سے واقف نہیں ہوں جس سے روح کو دیکھ سکوں۔
- ◇ بلال مکرم (جماعت پنجم): میں نے مراقبہ کیا اور دیکھا کہ ہاتھ میں حرکت روح کی وجہ سے ہے۔ روح اللہ کی مخلوق ہے جو اللہ کے حکم سے دوسری تمام مخلوقات کو حرکت میں رکھتی ہے۔
- ◇ عبدالرحمٰن انجم، جماعت ہشتم (فیصل آباد): آٹے میں نمک کا ذائقہ روٹی کھا کر بتایا جاتا ہے۔ اس لئے جب تک روح نہ دیکھ لوں، کیسے بتا سکتا ہوں کہ روح کیسی ہے۔
- ◇ کلثوم، جماعت ہشتم (کراچی): حرکت ارادے سے ہوتی ہے۔ ارادے کا خیال اللہ دل میں ڈالتا ہے۔

**************

# ذی احترام استاد اور شاگرد

نیک صفت بادشاہ کی عظیم الشان سلطنت پر حکومت تھی۔ ایک روز عجیب وغریب خواب دیکھا جس نے غفلت کی نیند سے جگا دیا۔

**خواب دیکھا** کہ وسیع وعریض خوب صورت باغ ہے، رنگ رنگ پھول ہیں، پتّے ہوا کے دوش پر دائیں بائیں لہلہا رہے ہیں۔ باغ میں تتلیاں اڑ رہی ہیں۔ ان تتلیوں میں ایک تتلی بادشاہ ہے۔ پروں کا رنگ دلکش ہے، ان میں اناری رنگ دور سے نظر آتا ہے۔ وہ خوشی سے پودوں پر منڈلا رہا ہے۔ اس کا ہدف پھولوں کا بادشاہ گلاب ہے۔ تتلی (بادشاہ) کو خبر نہیں تھی کہ ارد گرد کیا ہو رہا ہے، وہ گلاب کو خوش کرنے میں مگن تھی تاکہ گلاب خوش ہو کر اسے تھوڑی خوش بو دے جسے وہ باغ در باغ جا کر پھیلائے۔

خواب دیکھنے والے بادشاہ کو معلوم تھا کہ وہ خود کو خواب میں تتلی دیکھ رہا ہے۔ لیکن تتلی کو معلوم نہیں تھا کہ میں بادشاہ ہوں۔

بادشاہ کی آنکھ کھلی — اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ہاتھوں کو غور سے دیکھا، پیروں پر نظر گئی پھر کمرے پر نگاہ ڈالی اور پریشان ہو گیا۔ ذہن ہکّا بکّا — چہرے پر پریشانی واضح تھی۔ خود سے سوال کیا، میں بادشاہ ہوں یا تتلی ہوں — ؟ خواب کون دیکھ رہا ہے — ؟ میں خواب دیکھ رہا ہوں یا تتلی خواب دیکھ رہی ہے؟ نیند کے اُس پار میں تتلی ہوں اور نیند کے اِس پار خود کو بادشاہ دیکھ رہا ہوں۔

وہ بے چین ہو گیا اور خیال آیا کہ میں کون ہوں، بادشاہ ہوں یا تتلی ہوں؟

اب یہ بھی پڑھیے۔ زمانوں پہلے ایک اور بادشاہ تھا۔ وہ نرم گرم بستر پر لیٹا ہوا تھا، ملازم پنکھا جھل رہے تھے اور دو پہرے دار خواب گاہ کے باہر چوکس کھڑے تھے۔ بادشاہ کو نیند آ گئی۔

خواب دیکھا کہ پڑوسی ملک کے بادشاہ نے اسے شکست دے کر جنگی قیدی بنا لیا ہے۔

گھبرا گیا اور آنکھ کھل گئی۔

خود کو بستر پر پایا۔ ملازم پنکھا جھل رہے تھے۔

بے فکر ہو کر دوبارہ سو گیا۔ پھر وہی خواب دیکھا۔ سارے منظر پہلے خواب جیسے تھے۔

خوف سے آنکھ کھل گئی۔ دل کی دھڑکن تیز اور ماتھے پر پسینے کی بوندیں تھیں۔ ملازم پنکھا جھل رہا تھا اور کمرے میں پُرسکون خاموشی تھی۔

سونے کی کوشش کی لیکن نیند نہیں آئی۔ خیالات میں سوالات کا غلبہ تھا۔ بادشاہ نے سوچا کہ نیند کے دوران محسوس نہیں ہوا کہ وہ خواب دیکھ رہا ہے۔ نیند کی دنیا حقیقت بن گئی تھی۔ جاگنے کے بعد یہ دنیا حقیقی معلوم ہوتی ہے۔ اگر وہ بھی اصل ہے اور یہ دنیا بھی اصل ہے پھر حقیقت کیا ہے ــــ؟ میں بادشاہ ہوں یا دشمن بادشاہ کا قیدی ہوں ــــ؟ آخر میں کون ہوں؟

دن گزرتے رہے اور خواب بادشاہ کے ذہن سے چپک گیا۔ سوچتا رہتا کہ جو کچھ میں نے دیکھا وہ کیا تھا اور اب جو دیکھ رہا ہوں، وہ کیا ہے۔ اگر وہ سب خواب تھا تو خواب کے اثرات کیوں مرتب ہوئے؟ جاگنے کے بعد میں خوف زدہ کیوں تھا، پیشانی پر پسینے کی بوندیں کیا ہیں؟

اصل دنیا کون سی ہے ــــ؟

بادشاہ نے یہ سوال دربار میں دانش وروں، وزیروں، مشیروں اور نجومیوں سے کیا۔

سب نے کہا، عالی جاہ! یہی دنیا اصل ہے۔ خواب کی دنیا آنکھ کھولتے ہی غائب ہو جاتی ہے۔

بادشاہ نے پوچھا، جیسے یہ دنیا آنکھ بند کرتے ہی غائب ہو جاتی ہے ــــ؟

دربار میں سناٹا چھا گیا۔

بادشاہ نے کہا، یہ کیسی دنیا ہے جو غائب ہوتی ہے اور سامنے آجاتی ہے۔ ان میں سے اصل کون سی ہے ــــ؟ میں بادشاہ ہوں یا قیدی ہوں؟

سب خاموش تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ خود کو قیدی دیکھ کر بادشاہ کو صدمہ پہنچا ہے۔

بادشاہ نے کہا، سوال کو مملکت میں عام کر دو۔ میں جواب چاہتا ہوں چاہے جو بھی دے۔

گھر گھر اور ہر گلی کوچے میں سوال زبان زد عام ہو گیا کہ اصل دنیا کون سی ہے۔ بادشاہ ــــ بادشاہ ہے یا قیدی ہے۔ کئی روز گزر گئے، جواب نہیں ملا۔

محل میں ایک شخص لنگڑاتا ہوا داخل ہوا۔ سب اسے مختلف ناموں سے پکارتے تھے۔ وہ لوگوں کی غیر اہم باتوں کو اہمیت نہیں دیتا تھا۔

بادشاہ نے اس کے بارے میں سن رکھا تھا کہ وہ بے وقوف آدمی ہے اور ایسی باتیں کرتا ہے جو لوگوں کو سمجھ میں نہیں آتیں۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا، کس سلسلے میں آئے ہو۔

اس نے کہا، سنا ہے کہ آپ ایک سوال کے جواب کی تلاش میں ہیں۔ جواب دینے آیا ہوں۔

بادشاہ بولا، تمہاری باتیں لوگوں کے سر پر سے گزر جاتی ہیں۔ وہ تمہیں سر پھرا اور لنگڑا کہتے ہیں۔ کوئی فضول بات کرنے آئے ہو تو واپس چلے جاؤ میں کچھ نہیں کہوں گا۔

اس شخص نے کہا، میں اپاہج ہوں اور لوگ عقل کے اندھے ہیں۔ ذہن استعمال نہ کرنا سب سے بڑی معذوری ہے۔ قصور ان کا ہے جن کو میری بات سمجھ میں نہیں آتی۔ بادشاہ سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے لگے تو اس میں سلطنت کا نقصان ہے۔ آپ جواب جاننا چاہتے ہیں تو بتائیں ورنہ میں جا رہا ہوں۔

بادشاہ کو اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ آج تک کسی نے اس سے اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ نظر انداز کرتے ہوئے بولا، ٹھیک ہے! یہ دنیا حقیقی ہے یا وہ دنیا جسے سب خواب کہتے ہیں؟

دانا نے کہا، اے بادشاہ! یہ دنیا حقیقی ہے نہ وہ دنیا حقیقی ہے۔ جب آپ اٹھتے ہیں تو وہ دنیا نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے اور سوتے ہیں تو یہ دنیا نظر سے غائب ہوتی ہے جیسے کبھی اس کا وجود نہ رہا ہو۔ جو چیز غائب ہوتی ہے اور حاضر ہوتی ہے، حاضر ہو کر پھر غائب ہو جاتی ہے، وہ حقیقت نہیں۔

بادشاہ دانائی سے بہت متاثر ہوا اور دلچسپی سے پوچھا، اے دانا آدمی! جب یہ دنیا اصل ہے نہ وہ دنیا — پھر اصل کیا ہے؟

دانا نے کہا، خواب اور بیداری کے علاوہ ایک حالت اور ہے جو تبدیل نہیں ہوتی، اسے تلاش کرو جواب مل جائے گا۔

یہ کہہ کر دانا شخص لنگڑاتا ہوا محل سے جانے لگا۔

بادشاہ نے پوچھا، کہاں جا رہے ہیں؟ میری راہ نمائی کیجئے کہ اصل دنیا کہاں تلاش کروں؟

دانا شخص نے کہا، وہاں تلاش کرو جہاں سے یہ سوال ذہن میں آیا ہے۔

بادشاہ بولا، یہ نیا راستہ ہے اور میں اس سے ناواقف ہوں۔ آپ کا تعاون چاہئے۔

دانا شخص مسکرایا اور کہا، جو خود لنگڑا ہو، وہ کسی کو چلنا کیسے سکھا سکتا ہے؟ یہ سن کر بادشاہ کو بہت

شرمندگی ہوئی۔ الفاظ یاد آئے کہ بات سنے بغیر اسے بے وقوف سمجھ لیا اور اظہار بھی کیا۔

بادشاہ تخت سے اترا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا، اے دانا دوست! آپ اپاہج نہیں، اپاہج وہ ہے جو غور و فکر نہیں کرتا۔ مجھے اپنی شاگردی میں قبول فرمائیں۔ درخواست قبول ہوئی۔

بچو! بادشاہ حقیقت سے واقف ہوا یا نہیں، اس کا جواب بادشاہ نے آج تک کسی کو نہیں بتایا۔ کیا آپ اس سوال کا جواب جانتے ہیں؟

آدمی سونے جاگنے میں زندگی گزارتا ہے۔ نیند کی دنیا بھی ایسی نظر آتی ہے جیسے بیداری میں اور بیداری کی دنیا بھی ایسی نظر آتی ہے جیسے نیند میں۔ خواب اور بیداری کے علاوہ دوسری دنیا کون سی ہے؟ اگر ہے تو پھر اس دنیا میں اور اُس دنیا میں کیا فرق ہے؟ آنکھوں کی روشنی ــــ پیارے بچو! یہ تو آپ کو معلوم ہے آنکھ دیکھتی ہے لیکن منظر کشی دماغ میں ہوتی ہے۔ اگر یہ دنیا خواب ہے تو خواب کی دنیا کیا ہے؟ قابل احترام بزرگوں اور اساتذہ کرام سے درخواست ہے کہ جواب کے لئے بچوں کے ساتھ تعاون کریں۔ شکریہ۔

کسی زمانہ میں ٹنڈو پیر نامی گاؤں میں ایک دانا مرغار ہتا تھا جس کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام سخی اور ایک کا نام بخیل تھا۔ بخیل کو سخی سے نفرت تھی۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ سخی ان لوگوں کے ساتھ رہے۔ اس لئے اس نے بانا چاچا سے بات کی۔ بانا چاچا اسے اپنے گھر لے جائیں۔ لیکن جب اس نے یہ سوچا کہ اللہ تو سب سے بڑا سخی ہے، وہی سب کا خیال رکھتا ہے، میں نے تو یہ غلط کر دیا اپنے بھائی کو گھر سے نکال کر۔

اس نے اللہ سے معافی مانگی لیکن پھر بھی سخی بی بی ککڑوں کوں کے ساتھ رہنے لگا اور امی ابو سے گھر میں ملنے آتا۔ اس لئے کہتے ہیں اللہ کا ہر وقت شکر ادا کیا کرو اور گھر والوں کی مدد کیا کرو۔

(آئینہ عظیمی، جماعت چہارم)

اختر شیرانی

# او صبح کے ستارے

جلوہ دکھا رہا ہے، کرنیں لٹا رہا ہے
کیا جی لبھا رہا ہے، او صبح کے ستارے

محفل تری کہاں ہے؟ منزل تیری کہاں ہے؟
کس سمت جا رہا ہے؟ او صبح کے ستارے

سارے جہاں کے اوپر، اس آسماں کے اوپر
کیوں جھلملا رہا ہے، او صبح کے ستارے

کس کا خطر ہے تجھ کو؟ ہاں کس کا ڈر ہے تجھ کو؟
کیا سورج آرہا ہے؟ او صبح کے ستارے

دم بھر کا یہ سماں ہے، تو اس کا میہماں ہے
کیوں مسکرا رہا ہے؟ او صبح کے ستارے

خاموش ہے زمانہ، بے ہوش ہے زمانہ
لیکن تو گا رہا ہے، او صبح کے ستارے

چپ چاپ سورہا ہوں، نیندوں میں کھو رہا ہوں
کیوں گدگدا رہا ہے؟ او صبح کے ستارے

کیوں اتنا ڈر رہا ہے؟ کیوں منہ اتر رہا ہے؟
کیوں تھرتھرا رہا ہے؟ او صبح کے ستارے

آ میں گلے لگا لوں، ساتھی تجھے بنا لوں
تو دل لبھا رہا ہے، او صبح کے ستارے

# آپ کیا سمجھے ــــ؟

اکمل اور سلیم دوست تھے۔ بچپن میں ساتھ کھیلنے کودنے کی وجہ سے دوستی ہوئی اور بڑے ہونے کے بعد بھی برقرار رہی۔

اکمل اپنی زمین پر کھیتی باڑی کرتا تھا۔ کھیت چھوٹا تھا مگر ضرورت پوری ہوجاتی تھی۔ وہ ہل چلاتا، زمین نرم ہوتی تو بیج ڈال کر کھیت کی نگرانی کرتا تھا۔ محنت کر کے خوشی ملتی۔ چہرے پر اطمینان تھا۔

گھر میں ہوا کے گزر کے لئے کھڑکیاں کھلی رہتی تھیں۔ صبح اور شام ٹھنڈی تازہ ہوا اور دوپہر میں دھوپ سے تمام گھر والے صحت مند رہتے اور میٹھی نیند سوتے تھے۔

اکمل کے دوست سلیم کی زمینیں تھیں۔ پیسوں کی ریل پیل لیکن خوشی نہیں تھی۔ زمینوں پر کسان کام کرتے تھے۔ سلیم پیسے تجوری میں چھپا کر رکھتا۔ رات میں بار بار اٹھ کر کھڑکیوں اور دروازوں کا جائزہ لیتا کہ کھلے نہ رہ گئے ہوں۔

رات کروٹوں میں گزر جاتی۔ ہوا کی آمد و رفت کم ہونے سے گھر میں کیڑے مکوڑے زیادہ تھے۔ بچے زیادہ تر بیمار رہتے تھے جس سے پریشانی میں اضافہ ہوجاتا۔

اکمل کا ہنستا مسکراتا چہرہ دیکھ کر سلیم کو حیرت ہوتی تھی کہ تنگی کے باجود چہرے پر سکون ہے۔ دن بھر محنت کرتا ہے مگر تھکن کے آثار نہیں ہوتے۔

سلیم نے اکمل کو بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی کھیت سے واپس آتے دیکھا۔ بیٹے نے باپ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور بیٹی کندھے پر سوار تھی۔ وہ کسی بات پر ہنس رہے تھے۔ سلیم نے سوچا ــــ میرا کوئی بچہ میرے قریب نہیں آتا اور اکمل کے بچے باپ کے پیچھے بھاگتے ہیں۔

❦

اکمل سلیم کی بیٹھک میں چائے پی رہا تھا۔ سلیم نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہا ــــ میرے پاس سب کچھ ہے، بچے ہیں، اچھی بیوی ہے، بڑا گھر ہے، پیسوں کی فراوانی ہے لیکن سکون نہیں ہے۔ رات کروٹوں میں گزر جاتی ہے۔ بچوں کی آواز بری لگنے لگی ہے۔ ایک دو بار ڈانٹ دیا، قریب نہیں آتے۔

اکمل بولا — سب کچھ ہو اور سکون نہ ہو تو میرے دوست! کچھ بھی نہیں ہے۔ بے سکونی کی وجہ سے نیند نہیں آتی اور طبیعت پر اثر پڑتا ہے۔

سلیم نے کہا، لگتا ہے کہ نیند روٹھ گئی ہے، اور تمہیں پتہ ہے ہر ایک کی مجھ پر نظر ہے۔ ڈر رہتا ہے گھر میں چور نہ آجائے۔

اکمل بولا، چور کے ڈر سے نیند کیسے آئے گی؟ ایسا کرو روپیہ گھر میں رکھنے کے بجائے ایسی جگہ رکھو جہاں صرف تمہاری رسائی ہو یا ایسے بندے کے پاس رکھوا دو جس پر تم اعتماد کرتے ہو۔

سلیم نے یہ سن کر اکمل سے کہا، تم چائے پیو میں ابھی آیا۔ واپس آیا تو ہاتھ میں نوٹوں سے بھرا بیگ تھا۔ بیگ اکمل کے سامنے رکھتے ہوئے کہا، میں صرف تم پر اعتماد کرتا ہوں۔ بیگ میں میری عمر بھر کی کمائی ہے۔ امانتاً تمہارے پاس رکھوا رہا ہوں۔ اکمل کو 15 ہزار روپے دیئے کہ میری طرف سے بچوں کے لئے کچھ خرید لینا۔

اکمل پہلے ہچکچایا پھر دوست کی پریشان صورت دیکھ کر ہامی بھر لی۔

گھر جا کر بیگ کپڑوں کے نیچے چھپا دیا۔

رات کو سونے لیٹا مگر نیند نہیں آئی۔

کنڈی ہوا سے ہلی — اٹھ کر بیٹھ گیا۔

کھڑکی بند کی۔ تازہ ہوا کا گزر نہ ہونے سے گھٹن ہونے لگی مگر چوروں کے خوف سے کھڑکی بند رکھی۔

سب ترکیبیں آزمالیں — نیند کوسوں دور تھی۔

اکمل کے سر پر نوٹوں سے بھرے بیگ کا بوجھ تھا۔

بوجھ کے ساتھ نیند کیسے آتی؟

صبح ہوئی۔ رات بھر جاگنے کی وجہ سے دن بھر تھکن رہی۔ کھیت میں کام نہ کر سکا اور شام سے پہلے گھر آ گیا۔ اس طرح دو دن گزر گئے۔

ادھر سلیم کے گھر سے جیسے ہی نوٹوں کا بیگ گیا، سر پر سے پریشانی اتر گئی۔ رات میں اچھی نیند آئی۔ صبح ہشاش بشاش تھا۔ بہت خوش ہوا۔

اکمل پریشان تھا۔ رات کا چین اور دن کا سکون غائب ہو گیا۔ کھڑکیاں دروازے بند، جیسے گھر نہیں قید خانہ ہو۔ ہوا کا گزر نہ ہونے سے دو دن میں بچوں کے چہروں پر سرخی کم ہو گئی۔ اتنی بڑی رقم اس نے زندگی میں نہیں دیکھی تھی۔ نوٹوں سے بھرا بیگ اٹھایا اور سلیم کے گھر کا رخ کیا۔

دیکھا کہ وہ مطمئن اور خوش ہے۔

سلیم سے کہا، بھائی! خوشی ہے کہ تم نے اعتماد کرتے ہوئے اپنی کمائی میرے پاس رکھوائی لیکن میں پریشانی سے دو دن سو نہیں سکا۔ یہ امانت نہیں رکھ سکتا۔ 15 ہزار روپے بھی واپس کر دیئے۔

دوست کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، جتنا کماتا ہوں، اس سے گھر کی ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ میں زندگی سے خوش ہوں۔

یہ کہہ کر گھر لوٹ آیا۔

بیگ سلیم کے گھر دوبارہ آ گیا تھا اور اس کے ساتھ پریشانی بھی۔

❦

پیارے بچو! دولت بھی نعمت ہے۔ ہم پڑوسیوں، دوستوں، غریبوں اور رشتہ داروں کی مدد کر سکتے ہیں۔ اگر بندہ مال و دولت کو سب کچھ سمجھ لے، اس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دے تو دولت پریشانی بن جاتی ہے۔ جو لوگ ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں، انہیں کھانا کھلاتے ہیں، وہ دولت ہونے کے باوجود پُرسکون رہتے ہیں۔ اللہ ایسے بندوں سے خوش ہوتا ہے۔

دنیا کا سفر بڑے ہوٹل میں قیام کی طرح ہے۔ ہوٹل میں رہتے ہوئے تمام سہولیات استعمال کی جاتی ہیں لیکن رخصت ہوتے وقت کیا آپ ہوٹل کا سامان ساتھ لے جا سکتے ہیں—؟

❦

بزرگ کے پاس مسافر آیا اور دیکھ کر حیران ہوا کہ ان کے کمرے میں موم بتی، تخت اور الماری کے سوا کچھ نہیں تھا۔

مسافر نے پوچھا، آپ یہاں رہتے ہیں؟

بزرگ نے فرمایا، جی۔

مسافر نے پوچھا، گھر کا سامان کہاں ہے؟

بزرگ نے مسافر سے سوال کیا، تمہارا سامان کہاں ہے؟

مسافر نے کہا، میرا—؟ میں مسافر ہوں۔

بزرگ مسکرائے اور فرمایا، میں بھی مسافر ہوں!

---

پیارے بچو! میں مسافر ہوں اور
میں بھی مسافر ہوں
آپ کیا سمجھے—؟

جو کچھ سمجھ میں آئے وہ ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو لکھ کر بھیج دیں۔ اس سلسلے میں اپنے بزرگوں سے مشورہ کر سکتے ہیں۔

❦

# خواب تعبیر اور مشورہ

## مشق کیجئے

_____، اٹک۔ دوستوں کے ساتھ کہیں جانا ہے اور ایک ساتھی کا انتظار ہے۔اس لئے رکشا میں ادھر ادھر گھوم رہے ہیں۔ گاڑی اور موٹر سائیکل میں تصادم دیکھا جس میں گاؤں کے دو افراد زخمی ہوئے۔ ایمبولینس آئی اور زخمیوں کو لے کر چلی گئی۔ پھر ہمارا دوست آگیا اور ہم روانہ ہو گئے۔

تعبیر: خواب کی تمثیلات ظاہر کرتی ہیں کہ آپ سے حق تلفی ہوتی ہے اور اللہ کو یہ ناپسندیدہ عمل، آپ عادتاً کرتے ہیں اور نیکی کو نظرانداز کرتے ہیں۔ اپنا محاسبہ کریں اور زندگی کا تجزیہ کریں۔ خصوصاً اپنے اندر خودغرضی کے نقوش کا مطالعہ کر کے اپنا محاسبہ کریں۔ حقوق اللہ ،حقوق العباد دونوں سے الحمد للہ آپ بہرہ مند ہیں۔ کاغذ کے ایک طرف حقوق العباد اور ایک طرف حقوق اللہ لکھئے۔ اس کی مشق کیجئے۔ انشاءاللہ ذہن کھل جائے گا۔آپ کے لئے یاحی یاقیوم کا ورد کرنا مفید ثابت ہوگا۔

## اسکول میں داخلہ

مبشرہ مختار۔ میرا داخلہ اسکول میں ہوگیا ہے۔سوچ رہی ہوں کہ میں نے ماسٹرز کرلیا ہے پھر اسکول میں داخلہ کیوں دیا جا رہا ہے۔ایک خاتون کی آواز آئی کہ مجھے آٹھویں جماعت میں داخلہ دیا گیا ہے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ بعد میں لیکچر کی آواز آنے لگی جس میں کہا گیا کہ مچھلی اور مگرمچھ دونوں پانی میں رہتے ہیں۔

تعبیر: مچھلی کی افتادطبیعت الگ اور مگرمچھ کی الگ ہے۔راستے کی نشان دہی کی گئی ہے۔مچھلی اور مگرمچھ دونوں پانی میں رہتے ہیں لیکن مچھلی کھانے میں استعمال ہوتی ہے، مچھلی میں کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ مچھلی کا صحیح کھانا یہ ہے کہ کانٹے الگ کر دیئے جائیں اور مچھلی استعمال میں لائی جائے۔

یہی آپ نے خواب میں دیکھا ہے۔

---

روحیل، بہاولنگر۔تعبیر: اللہ تعالیٰ آپ کے والد محترم کو دنیا کے بعد کی زندگی میں خوش رکھے اوران کو رسول اللہؐ کی شفاعت نصیب ہو۔خواب مبارک ہے۔ انشاء اللہ حضور قلندر بابا اولیاؒ کا فیض نصیب ہوگا۔ کثرت سے یاحی یاقیوم کا ورد کریں اور غیبت کے قریب نہ جائیں۔ اگر کہیں غیبت ہورہی ہے تو وہاں

سے اٹھ آئیں۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ رات کو جتنی آسانی سے ہو سکے درود خضری پڑھیں۔ اسباق کی پابندی کریں۔

## لوحِ محفوظ

عائشہ فیض، لاہور۔ عرس کی تقریب ہے۔ ایک اللہ والے کو دیکھ کر ان کے قریب گئی اور سلام کیا۔ بزرگ نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا اور فرمایا ہاتھ دکھاؤ۔ میں نے سیدھی ہتھیلی بزرگ کی طرف کی تو انہوں نے کچھ پڑھنا شروع کر دیا جس کے ساتھ میری ہتھیلی پر مختلف جانوروں کے بارے میں لکھا ہوا نظر آیا۔ بزرگ مجھے مختلف جانوروں کی خصوصیات بتا رہے ہیں جو یاد نہیں رہیں مگر ایسا لگا کہ یہ وہ خصوصیات ہیں جو کامیابی کے حصول میں معاون ہیں۔ بزرگ کی آواز سننے میں مشکل ہوئی تو کان ان کے قریب کیا۔ پتہ چلا کہ بزرگ کچھ پڑھنے میں مصروف ہیں جب کہ ہتھیلی پر جو لکھا ہوا نظر آتا ہے وہ بزرگ کی آواز میں سنائی دیتا ہے۔ پھر بزرگ میرے ہاتھ پر پھونک مار کر فرماتے ہیں کہ سب چلا جائے گا، ختم ہو جائے گا۔ مجھے خیال آیا کہ میری پریشانیاں، مشکلات اور منفی سوچ ختم ہو جائے گی۔

**تعبیر:** اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے بزرگ نے آپ کی راہ نمائی کی ہے اور خواب میں بتایا ہے کہ آپ کا ذہن خیالات میں الجھا رہتا ہے۔ ان خیالات کا تعلق شک، بے یقینی اور مستقبل کے بارے میں زیادہ ہے۔ بزرگ نے فرمایا ہے کہ یہاں جو کچھ ہو چکا ہے، جو ہو رہا ہے اور آئندہ جو کچھ ہوگا وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ پر لکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے احکامات نورانی لہروں کے ذریعے نشر ہو رہے ہیں اور یہاں ذہن اور دماغ (گوشت پوست کا دماغ نہیں) میں ریکارڈ ہو رہے ہیں۔ اس ریکارڈ کے علاوہ کائنات کا تصور ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں مخلوقات کے لئے جس قسم کے وسائل ضروری تھے اور ہیں وہ سب فلم کی طرح ہیں۔ فلم پر جو کچھ لکھا ہوا ہے بندہ وہی کرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ذریعے اور آسمانی کتابوں کے ذریعے اس کے دو حصے ظاہر فرمائے ہیں۔ جو عمل اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے اس کا اجر ہے اور جو عمل شیطانی انسپائریشن کی وجہ سے ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے۔ ایک عمل کی جزا ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور دوسرے عمل کی، جو شیطانی وسوسے کے ساتھ ہوتا ہے وہ قابلِ سزا ہے۔ جن بزرگ کو آپ نے دیکھا ہے انہوں نے بتایا ہے کہ آپ کی زندگی کے حالات روشن مستقبل کی نوید ہیں۔ لیکن آپ کے اندر یقین کی جگہ وسوسے زیادہ ہیں۔ چاروں قل ترجمے کے ساتھ پڑھ کر رات کو سونے سے پہلے اپنے اوپر دم کر لیا کریں۔

## چپل نہیں ملی

صدف معیز، کراچی۔ بہنوں کے ساتھ ایک بہن کے سسرال گئی جہاں کسی بہن کی چپل نہیں مل رہی۔ کئی جگہ دیکھا تو واش بیسن کی نالی کے پاس چپل ملی جسے

اٹھایا تو نالی میں آلودہ پانی نظر آیا۔ پھر دیکھا کہ وہ چپل کسی اور کی ہے، متعفن اور پرانی۔ میں پھر چپل ڈھونڈ رہی ہوں اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے آنکھ کھل گئی۔

**تعبیر:** ذہن کے دو رخ متعین ہیں۔ ایک رخ شیطانی وسوسوں کی آماجگاہ ہے اور ذہن کا دوسرا رخ رحمۃ للعالمین حضرت محمدؐ کی رحمت کے نقوش ہیں۔ بندے کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ شیطانی انسپائریشن قبول کرے جو بغاوت کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس بات پر بھی اختیار ہے کہ ایسے اعمال انجام دے جو اللہ کے محبوبؐ نے پوری امت کے لئے متعین کئے ہیں۔ قرآن کریم اس راستے کو صراط مستقیم کہتا ہے۔ خواب ظاہر کرتا ہے کہ وقت بہت ضائع ہوتا ہے اور دنیاوی معاملات میں ذہن الجھا رہتا ہے۔ آپ 24 گھنٹے کا حساب لگائیں اور کاغذ پر لکھیں کہ آپ کا وقت کتنے حصوں میں تقسیم ہو رہا ہے۔ ایک زندگی اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی تعلیمات کے مطابق ہے جس میں اجر کی بشارت ہے۔ اور دوسری طرف شیطان الرجیم کی انسپائریشن ہے جس کے لئے اللہ کے رسولؐ نے اور اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

---

نور جہاں، ملیر کراچی۔ **تعبیر:** شمال رخ بیٹھ کر سورہ عنکبوت پڑھیں۔ پڑھ کر اپنے اوپر دم کریں اور آنکھ بند کر کے مکڑی کے جال کو اشاروں سے توڑ دیں۔ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد بغیر کچھ کھائے پیئے یہ عمل اکیس (21) روز کرنا ہے۔

نفیسہ، کراچی۔ **تعبیر:** آپ کی غذا میں نمک کی زیادتی محسوس ہوتی ہے۔ اگر بلڈ پریشر لو نہ ہو تو آپ کے لئے مفید ہے کہ کچھ عرصے کے لئے نمک کھانا چھوڑ دیں۔ آپ کا ذہن مستقل غیر ضروری باتوں کا گودام بنا ہوا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنا ذہن اللہ کی طرف لگائیں اور سوچیں کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ نماز کی پابندی کریں انشاءاللہ ذہنی یکسوئی ہو جائے گی۔

---

جویریہ، **تعبیر:** اللہ تعالیٰ آپ کو صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ جب بھی چوری کا خیال آئے تین مرتبہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر دل کی جگہ پر دم کریں۔ اپنا گھر چھوڑ کر کرائے پر گھر لینا مسئلے کا حل نہیں ہے۔

## چھت گر گئی

عبدالرحمٰن، کوٹ ادو۔ کمرے کی چھت میں بڑا شگاف ہونے کی وجہ سے آسمان پر چمکنے والی بجلی اندر داخل ہو رہی ہے۔ کچھ دیر بعد چھت گر گئی، سوچ رہا ہوں کہ اگر پیسے ہوتے تو اچھی چھت بنوا لیتا۔ پھر دیکھا کہ میں لیٹا ہوا ہوں اور کوئی جسم میرے اندر گھس گیا جو کوشش کے باوجود باہر نہیں نکلتا۔ میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھتا ہوں تو وہ باہر آ کر قریب کھڑے ایک شخص کے اندر گھس گیا۔ میں ڈنڈا لے کر کھڑا ہوا کہ اسے ماروں اتنے میں وہ باہر نکل گیا۔

**تعبیر:** کوشش بہت اچھی ہے۔ آپ اگر ایسے خواب دیکھتے رہے تو بہترین ڈراما نویس ہو جائیں گے۔

## سنی سنائی باتیں

م م، خاندان کے لوگوں کے ساتھ سمندر کنارے بیٹھی ہوں۔ خوب صورت منظر ہے، پانی اتنا شفاف کہ اندر تک نظر آرہا ہے۔ کنارے کے قریب پانی میں اترتی ہوں کہ مچھلی ملی تو پکڑ لوں گی۔ پھر تیرنا شروع کیا۔ واپس آکر کہتی ہوں کہ دوپٹہ دو، مچھلی پکڑ لوں۔ حالاں کہ واضح طور پر مچھلی نظر نہیں آئی۔

تعبیر: آپ کو اپنا محاسبہ کرنا چاہئے۔ وقت بہت ضائع ہوتا ہے۔ وقت کی قدر کریں۔ ادھر ادھر کی سنی سنائی باتوں میں ضروری نہیں ہے کوئی حقیقت ہو۔ لہٰذا غیر ضروری باتوں میں وقت صرف کرنا دانائی نہیں، نادانی ہے۔ اپنا محاسبہ کیجئے۔

---

مرسلین احمد، اسلام آباد۔ تعبیر: خواب مبارک ہے۔ رات کو سونے سے پہلے پاک صاف ہوکر درود ابراہیمی 100 مرتبہ پڑھ کر سوجائیں۔

---

زاہدہ بانو، قصبہ کالونی۔ تعبیر: خواب اس بات کی نشان دہی ہے کہ شادی کو طویل عرصہ گزرنے کے باوجود اولاد کی نعمت سے محروم ہیں۔ اس سلسلے میں کتاب ''روحانی علاج'' میں اولاد نہ ہونے کا علاج ہے۔ اجازت کے عمل کے بعد جو کتاب میں لکھا ہوا ہے عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ صاحبِ قدرت ہیں، ان کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بچہ گود لے لیں۔ کچھ دنوں بعد انشاء اللہ اولاد کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔

---

سیدہ فاکہہ علی، بہاولپور۔ تعبیر: خواب الجھے ہوئے خیالات کی دستاویز ہے۔ پانچ وقت نماز قائم کریں۔ چلتے پھرتے وضو بے وضو یاحی یاقیوم پڑھیں۔

---

ڈ۔س۔ تعبیر: خواب کی آخری سطر ''ضمیر کی آواز پر دھیان دینا چاہئے''، خواب کی تعبیر ہے۔ ضمیر کی آواز میں الوژن نہیں ہوتا لیکن یہ خیال بھی ذہن نشین رہنا چاہئے کہ الوژن کا وجود ہے تب اس کا مظاہرہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے الوژن کے قریب جانے کو منع فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتوں میں ارشاد ربانی ہے،

''یہ کتاب اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔''

قرآن کریم پڑھئے اور پہلے رکوع پر غور کیجئے۔

لا— نہیں، ریب— شک۔ اس کتاب میں شک نہیں ہے۔ شک الوژن ہے۔

---

ط ط، کراچی۔ تعبیر: آپ نے خواب میں جو کچھ دیکھا ہے اس میں ایسے معمولات کی نشان دہی ہے جو ضمیر کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے محبت کرتے ہیں اور پسند فرماتے ہیں کہ اللہ کی مخلوق بھی آپس میں محبت کرے اور حسب استطاعت ایک دوسرے کی

خدمت کرے۔ضروری ہے کہ ذہنی خلفشار کوختم کرنے کے لئے آپس میں پیار محبت سے رہیں اور غصے کے جذبات کو رد کریں ۔اللہ احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔

**مرتبہ احسان**

بابو فضل حیات، سوات۔حرم شریف میں خانہ کعبہ کو خوب روشن اور چمکتا ہوا دیکھا۔طواف کرتے ہوئے رکن یمانی تک پہنچ کر یاد آیا کہ یہاں ہر دعا قبول ہوتی ہے۔خواہش پیدا ہوئی کہ دیوار سے لپٹ جاؤں۔ احساس ہوا کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔شرم اور رعب الٰہی سے سمٹ گیا۔

تعبیر: الحمدللہ خواب صادق ہے۔جو کچھ خواب میں دیکھا ہے اس میں درود شریف کی فضیلت شامل ہے۔ اہتمام کے ساتھ رات کو سونے سے پہلے 313 مرتبہ درود خضری پڑھئے اور دن میں وضو بے وضو یا حی یا قیوم کا ورد کیجئے ۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو زیارت کی سعادت سے نوازے، آمین۔

---

فردوس، کراچی۔تعبیر: صاحبِ فہم خواتین وحضرات اپنی زندگی کے شب وروز میں جو کچھ کرتے ہیں، رات کو سونے سے پہلے یکسوئی کے ساتھ اپنا محاسبہ کرتے ہیں۔محاسبے کے دورخ ہیں۔



## آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:..... والدہ صاحبہ کا نام: .....

پورا پتہ:.....

ازدواجی حیثیت:.....وزن (تقریباً): .....آنکھوں کا رنگ.....

نیند کیسی آتی ہے:.....بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):..... تاریخ پیدائش:.....

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.....فون نمبر.....

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : .....

.....

۱۔ہم نے کتنے کام ضمیر کے خلاف کئے ہیں۔

۲۔ کتنے معاملات ہیں جس پر ضمیر نے ملامت کی ہے اور ہم اس ملامت پر غور نہیں کرتے۔

ملامت برائی سے محفوظ رکھنے کے لئے ضمیر کی راہ نمائی ہے۔اطمینانِ قلب،خوشی اور دلی سکون راہ نما ہے کہ عمل رسول اللہؐ کے بیان کردہ قانون کے مطابق ہے۔

مجھ فقیر کا مشورہ ہے کہ غیبت سے مکمل دور رہیں۔ نہ کسی کی غیبت کریں نہ غیبت سنیں۔ رات کو سونے سے پہلے باوضو 101 مرتبہ درود شریف پڑھ کر دل کی جگہ پھونک ماریں اور بات کئے بغیر سو جائیں۔

اہل بیت کرام سے عقیدت روشن ستارے کی طرح عیاں ہے۔ یہ اللہ کی دی ہوئی توفیق ہے جس سے آپ کو نوازا گیا ہے۔

**حفاظت**

رخشی ، فیصل آباد۔ اکثر اوقات خواب میں خود کو ٹانگوں سے معذور دیکھتی ہوں۔ چلنے کی کوشش کرتی ہوں مگر چلا نہیں جاتا۔

**تعبیر:** اندرونی بیماری کی وجہ سے ٹانگوں کو نقصان پہنچ رہا ہے۔اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں۔کھانوں میں مرچ،گرم مسالوں اور انڈے سے پرہیز کریں۔اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے،آمین۔

---

**اسم سردار**

لوحِ محفوظ کا قانون ہمیں بتاتا ہے کہ ازل سے ابد تک صرف لفظ کی کارفرمائی ہے۔حال،مستقبل اور ازل سے ابد تک کا درمیانی وقفہ لفظ کے علاوہ کچھ نہیں ہے،کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب اللہ کا فرمایا ہوا لفظ ہے۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کا اسم ہے۔اسی لفظ یا اسم کی مختلف طرزوں سے نئی نئی تخلیقات وجود میں آتی ہیں اور آتی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا اسم ہی پوری کائنات کو کنٹرول کرتا ہے۔لفظ یا اسم کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ہر قسم کے اسما کا ایک سردار ہوتا ہے اور وہی اسم یا سردار اپنی قسم کے تمام اسما کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔اسی سردارِاسم کو اسمِ اعظم کہتے ہیں۔

اسما ــــ روشنیاں ہیں۔ایک طرز کی جتنی روشنیاں ہیں ان کو کنٹرول کرنے والا اسم بھی ان ہی روشنیوں کا مرکب ہے اور یہ اسما کائنات میں موجود اشیا کی تخلیق کے اجزا ہیں۔مثلاً انسان کے اندر کام کرنے والے تمام تقاضوں اور حواس کو قائم رکھنے والا اسم سب اسما کا سردار ہوتا ہے اور یہی اسمِ اعظم ہے۔

تجمل
Tajammal
تجمل ٹریولز
(پرائیویٹ) لمیٹڈ
تجمل السفریات (الخاصہ) المحمودہ
E ویزہ + ایئرلائن ٹکٹ
ہوٹل اینڈ ٹرانسپورٹ
UMRAH
عمرہ سروس
بجٹ پیکج
اکانومی پیکج
5
ہوٹل کی بکنگ
THA
OVERSEAS EMPLOYMENT PROMOTERS
سعودی قونصلیٹ کراچی سے منظور شدہ
پروٹیکٹر کی سہولت کے ساتھ
ٹی ایچ اے اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز
Labour Visa
Skilled Visa
Un Skilled Visa
Work Permit
جاپان، یو اے ای، قطر، ملائشیا اور سعودی عرب
کے ویزہ جات کی تیز ترین پروسیسنگ کیلئے تشریف لائیں
thaoep1@gmail.com
Office # 54, Gate # 5, Iqbal Stadium,
Faisalabad. Landline: +92 41 2641904
tajammaltravels1@gmail.com
+92 300 6654 211
+92 321 6680 266
+92 302 1165 300
+92 302 1165 400
رانا تجمل حسین

Azad Kashmir

SANGAM HOTEL MUZAFFARABAD

HOSPITALITY IS OUR TRADITION

*We serve famous delicious Cuisines, offer Air conditioned Rooms, Suites, well equipped Wedding and Conference hall and great Customer service.*

**Phone No: +925822444194-5 Fax No: +925822442587**

**Email:sangamhotel@hotmail.com**

The wise man nodded his head, then pointed down at the foliage that had grown over the massive roots of the tree. The moon was shining brightly on the roots.

He looked closely and noticed a fallen leaf and insects devouring it. In a matter of minutes, the leaf was gone.

"Now look in the other corner right behind where you are standing," the old man said.

He turned back and saw a carcass of a bird right next to his feet. He jumped back. The sight of the dead bird ran a shudder down his spine. Ants and maggots had surrounded the bird, which was half eaten by now. As he focused, he felt a slight nauseating smell of rotten flesh around him. He stepped a few more steps back in revulsion. His discomfort was obvious.

The old man led him to the rear end of the tree. He gasped for breath as he saw a large carcass of what looked like an elephant. The animal was almost reduced to a skeletal waste and the stench was unbearable. He looked away, holding his nose. He was gasping for breath; each time he had to breathe the stench left him nauseated. The old man took pity upon him and led him away from the tree and asked, "What did you observe?"

"Death is the ultimate reality," he whispered.

Episode 4

○ ○ ○

## Wisdom

Far-sightedness, a word used for the wise, to explain wisdom. "He is such a far-sighted man; he already had everything prepared". Being prepared for something in the future shows how far-sighted or wise a person is. But does that future only limit to the life we live? What about the next one thousand years? Is not being prepared for the next thousand years far-sightedness too?

Our thoughts are bound; we are bound to think only about the life we live, not a single person thinks in terms of death but is that wisdom? Every passing minute brings us closer to death, then why do we think only in terms of life and not death?

The word death itself has become something to fear, the self-created meaning of death is of fear and fright, to enter somewhere we do not know about, something mysterious, something horrid because the ignorance of man has led him to believe that the things we do not see are indeed frightening. Death is in our era, similarly, associated with the concept of angels and demons, the paradise and the inferno. The self-created ideas restrict man to think otherwise.

Wisdom lies not in believing the self-created knowledge offered by the world, but in witnessing our self, the nature, and religion of nature.

— Mahnoor Arif

He ran into the arms like a child into the arms of its parent. He had never experienced ecstasy like this. He placed innumerable kisses on the chest of the old man and dried his tears into smiles.

"You have taken a long time to come home my dear son!" The wise man lovingly stroked his head.

He knew the process of gold extraction had begun. The phase of aimless wandering was over. He was home, beside his beloved. He did not know that love of such kind could exist.

They walked back to the edge of the lake. It was dusk. The sun setting on the horizon created a magnificent splash of colours in the sky. The sky and the lake were mirroring each other as always. He and the old man looked at each other and smiled. He was found and he knew this finding was forever. "Rest well, my dear son! I will see you soon."

The wise man was gone sooner than he could respond, "Okay." He was tired. The adventure of the day had taken a toll on him and he decided to freshen himself up and relax for a while.

He sat overlooking the mountain range that appeared as faint, blue outline. The river was almost invisible except where the waters reflected the light of the moon. He looked up into the sky and saw the full moon in all its grandeur; the stars twinkled on as the gentle breeze swept past him and drifted him into slumber.

"Are you not going to accompany me tonight?" He heard a familiar voice – it was his spiritual master standing before him. How did he get into the tree house? Had he left the front door open?

"Light cannot be confined by the five senses. Do not waste your time on wondering about my arrival and departures. We have much to do. Come on now!" The old man commanded with authority.

He jumped up, pulled his jacket over his shoulders and paced behind the wise man that had already reached a far distance ahead of him. It seemed like time and space did not exist for the wise man; he was beyond the grip of gravity.

This time they were travelling into the ocean of green and entering the deep forests. The moon was trying its best to penetrate through the gaps between the leaves and illuminate their path. He had no courage to ask where they were headed. They kept walking for what seemed like many hours, he was tired but the craving for self-actualisation kept him going. Finally, the wise man stopped before a tree. The tree was enormous and seemed to be very old.

"Yes, it is very old. In fact, over a hundred-thousand years old." The old man replied to his thoughts.

"I can smell the fragrance emitting from the tree, it is so soothing," he said, taking a deep breath of the fresh air around the tree.

nide is added which separates the gold from all the other minerals and thereafter, it is heated until pure, raw gold remains. And after all this effort, they collect as little as 5/100th of an ounce of gold per ton of rock!"

"And what have you understood from this?" the wise man asked calmly.

He remembered his question, "How does the master clear the preexisting pattern of thinking and transfer their thinking into the student?"

He looked at the old wise man with great respect and whispered, "This is how the spiritual master clears the preexisting pattern of thinking in the student and purifies them in order to transfer their own pattern of thinking. The rock, mud and other minerals are the layers of ego or impurities in the student that the master painfully removes to extract the hidden gold or true self. The student devoid of impurities now sees themselves as pure, rare and most valuable, ready to be adorned."

He was sobbing uncontrollably as he fell down on his knees and said, "The pure me is 5/100th ounces hidden under the debris of the 100 tons of my ego or false self. My beloved master will extract me and put me on the path of redemption! You are my beloved master, are you not? You are my gold extractor and I your gold, you are my sky and I your lake, you are the telescope that unveils my inner eye and brings me to self-awareness, are you not?"

Hearing no reply, he looked up and saw that there was no cave, no darkness, and no old wise man! He was standing on a passage of rocks and a ferocious river was winding under. He felt giddy as realisation struck that he had crossed this dangerous rocky path merely by placing his foot on the glowing footsteps. Now that he could see his way back, it seemed impossible for him to walk. Fear gripped him and he stood there rooted.

"Master! Won't you guide me back? I realise I have walked myself to this dangerous destiny because of my sins, yet you never let me fall as you watched over my every single step in life. You were the guiding light through the darkness I had enveloped myself in. I regret my ignorance and crave to find myself. I want to know my Creator. I want to surrender unto you. I do not know how to get back to the right path on my own. Please show me the way back to myself and teach me the process of Meditation. Please."

The cries of his repentance echoed in the forest. As his tears fell into the river, it was dark again and he saw the glowing footsteps guiding him back. Ecstatic, he kept his foot on the glowing footsteps; his heart knew he was on his way home. Bliss enveloped him. When he was out of the darkness, he saw the old wise man standing in front of him with his hands stretched out.

i

# Circle of Life

*He knew the process of gold extraction had begun. The phase of aimless wandering was over. He was home, beside his beloved. He did not know that love of such kind could exist.*

The wise man looked at him with penetrating eyes, they seemed to have a strange new sparkle in them. “Extend your palm.” The old man’s voice echoed in the cave.

As he held his palm up, the old man placed a lump of muddy rock upon it. He was puzzled. Seeing his bewildered state of mind, the old man said, “Look at it carefully. What do you see?”

“It is a rock laden with wet, damp mud,” he replied.

“Inspect it with great attention my dear fellow. You often miss the most precious information and clues life offers when you do not focus beyond the surface of things.” The old man shook his head in disapproval.

He examined the muddy rock very carefully this time. Cleaning the surface mud, he held the little rock up in the light and found shimmering strands of gold in it. He rubbed the rock further to ensure he was right and when it confirmed his find, he said aloud, “Its gold!” He exclaimed like an excited child who had won the treasure hunt.

“Yes, it is gold indeed,” said the wise man. “Which you would have missed noticing as it is ingrained in the hard rock and laced with the layer of dirty murk. As you learn to focus on things, you learn the art of valuing things better. Focus helps you realise that most often the worth of what you hold in hand is more than your superficial evaluation of them. Just like in this case, the value of gold is nothing more than a pile of dust until it is extracted. What do you know about gold my dear man?”

He cleared his throat – he was desperate to hold the wise man’s attention. Something told him that the wise man was extremely precious like the gold in the rock and mud, which he would have otherwise never met if he had not given much attention. Little did he know, he was soon about to realise that he himself was the gold, and the wise man was the gold extractor. “Researchers have found that for every billion atoms of rock on earth, there is just one atom of gold. That makes gold one of the most rare and valuable metals. The highest deposit of gold is found dissolved in the ocean and it is an impractical task to separate and hence the world has resorted to extracting gold from minor deposits found by searching the river and lakebeds. Some others find gold by mining. The rocks are broken with explosives, then ground and crushed to granules of fine sand, then mercury or cya-

V

wants His creatures to only trust and refer to Him for help. God has promised that He is with those who are patient.

Bibi Fatima Nishapuri (RA) said, "The waves of tough circumstances strike a friend of God time and again, however, they immediately refer to God, and He protects them."

She advised people that every action should be done with sincerity. Every act should be for pleasing God, and while doing it, one must believe that God is watching them. She would say,

"Deception and dishonesty would end in a society if the belief that God is present everywhere entrenched into everyone's minds. Those who are not attentive towards God at all times, fall into the ditch of sins."

Once a female follower came from Balkh to meet her and said, "I want to get close to God by serving you."

Bibi Fatima Nishapuri (RA) replied, "Why don't you serve God and become closer to me?"

She was a soft spoken and a loving lady. However, she gave importance to keeping balance in relationships. The waves emitting from her had a strong influence on the people's hearts, and everyone would always be respectful before her. She would often say,

"Excessive formality reduces love, and becomes a reason for deception."

A person spends their life driven by their desires. They want to have everything, but are not willing to give anything away. This self-centredness has deprived society of peace. Everyone seeks benefits from others. For their interest, they are willing to force others, but when it comes to their turn to help others, they behave as strangers. They get what they want, but not peace. Bibi Fatima Nishapuri (RA) says, "It is easier to control your desires for the fulfilment of your wants, than falling into the deep pit of darkness."

The life of Bibi Fatima Nishapuri (RA) reflects that she was a well-off, confident, and a strong-willed woman with a strong interest in Sufism. She studied the Holy Quran by understanding it, pondered over its meaning, and became aware of the wisdom within it.

She mostly stayed in Makkah, but would occasionally travel to Jerusalem on a pilgrimage, only to return to Makkah again. Before her passing, she went to Jerusalem for another pilgrimage. She then came back to Makkah to perform *Umrah* (Islamic Pilgrimage), and passed away.

For those who love God, there is a message from Bibi Fatima Nishapuri (RA):

"Imagination satisfies the thirst of the heart, contemplation lights up the passion, and desire is the only way to reach the desired One."

says, "These are pious people in the human race who become aware of the universe in their inner. When an individual becomes aware of their inner and the veil of time and space is unveiled before their eyes, they see that everything is inside of them. There is a dot inside a human, which is a microfilm of the universe. When that dot is given a chance to spread and display, the whole universe displays onto the screen of the mind as a film."

(Book: *Awaz-e-Dost*)

Bibi Fatima Nishapuri (RA) spent most of her life in *Bayt Allah* (the House of God). She devoted herself in the services of *Bayt Allah* in whatever manner she could.

She was aware of the wisdom behind prayers, and with great interest, she used to perform optional prayers in the night. Her diet was simple, and she avoided eating to her fill. She made special arrangements to feed people, and disliked the habit of finding faults in food. To the ladies who would come to her school for education, she would advise them to offer gratitude to God no matter what they received to eat, and stressed that thanklessness and finding faults in food is not liked by Him. She would tell people, "Complaining about food is equivalent to being ungrateful for the blessings of God."

When Sheikh Ahmad Khidruya (RA) learned that Hazrat Yahya Ibn Muaz Razi (RA) was coming to Nishapur from Ray, he invited him to his place. He asked his wife, Bibi Fatima (RA), "What should be arranged for Yahya?"

Bibi Fatima (RA) said, "Sacrifice cows and lambs, and in the same numbers cook vegetables, arrange candles, perfumes, and also slaughter donkeys."

"So much for one person?" her husband asked. "Tell me why we should? And what do you need donkeys for?"

She replied, "When a friend of God visits your house, in this happiness, it is necessary that one must feed other people and creatures around them. The meat of the donkey is for the animals in the vicinity."

Sheikh Khidruya (RA) was very pleased with her kind nature and her willingness to be in service of the creatures of God.

Bibi Fatima Nishapuri (RA) distributed gifts from her followers among people. Be it a scholar or an ordinary person, anyone who came to her to discuss their problem would be advised with the best solution.

She said, "God guides people towards Himself through different methods. They go through easy times, as well as testing times. This ease and difficulty are for the purpose of returning people to God."

God loves His creations more than the love of 70 mothers, and

and attained blessings through her teachings too.

He said, "Bibi Fatima Nishapuri (RA) explains truth and wisdom of the Quran in such a manner that one marvels at her eloquence." He became her student and said, "Fatima is from the saints of God, and she is my teacher."

A person once asked him, "Who do you think is the greatest Sufi of our time?" Hazrat Dhul Nun al-Misri (RA) replied, "There is a lady in Makkah, called Fatima Nishapuri (RA). Her speeches display an in-depth understanding of the Holy Quran. I was astounded by her knowledge."

Once, during a stay in Jerusalem, Hazrat Dhul Nun al-Misri (RA) requested advice from Bibi Fatima (RA). She replied, "Pay attention to the aspect of sincerity while doing anything, and do not follow your desires."

In praise of Bibi Fatima (RA) Hazrat Bayazid Bistami (RA) said, "I have found Fatima Nishapuri (RA) to be at par in excellence. She has undergone every station of spirituality and has knowledge of every secret that I brought before her. I found her enlightened."

He also said, "Whoever wishes to strive in attaining spiritual knowledge, they should be as steadfast as Fatima Nishapuri, should yearn for it as much as she does, and must adopt her way of doing things. Whoever wishes to know how to serve God, should look up to Fatima Nishapuri as an example."

---

There have been a number of people who were shocked to see her at multiple places at the same time. She told them, "Those who become aware of their soul become free from the grip of time and space."

What is time and space? Life is based on the process of a decrease, increase and decrease in proportions. The Patron in Chief of Sufi Order Azeemia says,

"In the process of increase and decrease, the increase and decrease are movements. Movement has two aspects. One aspect does not change, while the other aspect changes. Where there is alternation, there is space; whereas where there is no change, there is time." (Book: *Waqt*).

Wonderworking performed by a friend of God is called a *Karamat* and if this is performed by prophets, it is called a miracle. As friends of God have special association with Prophet Muhammad (PBUH), such things happen through them that cannot be explained logically.

Friends of God perform wonderworking as per need, and avoid doing it as much as possible. Bibi Fatima Nishapuri (RA) compared wonderworking to mere play, and said, "The friends of God observe the signs of God in every single particle of the universe."

When speaking of those people who have cognition of time and space, the honourable Mr. Azeemi

to Ahmad Khidruya (RA) with a message saying, "Send a marriage proposal for me." Sheikh Ahmad Khidruya (RA) declined and apologised, as he knew that she was from a wealthy family. However, as she did not care about the difference in their status, she sent him another message that said, "I know you are an *Arif* (someone who has cognition of God) and that you walk cautiously. However, you are a partner in the journey and not a guide."

Hearing this, Sheikh Ahmad Khidruya (RA) changed his mind and sent a proposal. Bibi Fatima Nishapuri 's (RA) father was a follower of Sheikh Ahmad Khidruya (RA) and so he happily accepted it. Bibi Fatima Nishapuri (RA) had grown up in luxuries, but upon entering the home of Sheikh Ahmad Khidruya (RA) as his bride, she spent her life in accordance to her husband's financial condition.

She says,"A person must remain happy and content no matter the condition God keeps them in. Because those who love God do not complain, rather they are content with His will."

Her wealthy father left behind plenty of wealth for his daughter, but the generous daughter distributed the riches among the poor and needy.

Bibi Fatima Nishapuri (RA) was blessed with the knowledge of both the physical and inner world. She was known for her spiritual elucidation of the Quran and for elaborating on deep points of Sufism. People were impressed upon listening to her worthy explanations of the knowledge and wisdom entailed in the Quran and scholars often left her gatherings astounded.

A renowned Sufi, Hazrat Bayazid Bistami (RA) and Sheikh Abu Hafs Al-Haddad (RA) had high regards for her. Sheikh Abu Hafs (RA) says,

"I used to dislike attending gatherings of women before meeting Fatima (RA). However, when I listened to her, my thinking was corrected and I understood that for God, both man and woman are equal. He blesses gnosis to whosoever He wills, beyond the distinction of their gender."

Bibi Fatima (RA) is also known as the teacher of a famous Sufi, Hazrat Dhul Nun al-Misri (RA). She spent most of her time between Makkah and Jerusalem. Hazrat Dhul Nun al-Misri (RA) met Bibi Fatima (RA) during his pilgrimage to Makkah.

Bibi Fatima Nishapuri (RA) sent a gift for him, but he returned it and said, "I don't accept gifts." In response, Bibi Fatima (RA) said, "A Sufi does not look at the apparent aspect, but the rationale behind it."

The meaning behind her words was that the gift was not sent to gain worldly purposes, rather it was sent for the love of God. When Hazrat Dhul Nun al-Misri (RA) heard this, he was impressed by her personality and wisdom,

i

# Nishapuri — Bibi Fatima (RA)

*"I used to dislike attending gatherings of women before meeting Fatima (RA). However, when I listened to her, my thinking was corrected and I understood that for God, both man and woman are equal. He blesses gnosis to whosoever He wills, beyond the distinction of their gender."*

Bibi Fatima Nishapuri (RA) or the Fatima of Nishapur, holds a prominent position amongst the Sufis of the ninth century. She was the daughter of one of the nobles of Balkh. Despite having a luxurious life, the glitter and glam of this perishable world did not impress her. She felt a void inside of her that she filled with the cognition of God.

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) talks of the transitory nature of the world in a quatrain, its translation as follows:

*Complain not for the good or the bad*
*Reminisce not that which has passed by,*
*You are gifted a few moments of life*
*Waste these moments not.*

The purpose for the existence of creations is so that they may cognise God. A life spent contrary to a life spent in attempt to cognise God is analogous to a person who comes to the bazaar to buy an elegant dress, but loses sight of their objective in the glittery atmosphere of the marketplace and roams around aimlessly. After a designated time, they will return with their hands empty. The colourful objects from the market will not be of any use to them; however, if they had looked for a beautiful dress for themselves as they were exploring the marketplace, they would have fulfilled the purpose of visiting the bazaar. This example is by no means the most elegant, but since it is relatable to everyone, it will diffuse the concept in minds.

The purpose of our birth is to cognise God. Earth is a garden where each of the fragrant flowers points the reason of their splendour towards its Creator. However, one is able to see the brilliance of God when they make efforts to cognise God by following in the footsteps of Prophet Muhammad (PBUH), and while being grateful, they utilise the blessings provided to them in this world.

Bibi Fatima Nishapuri (RA) said, "A person who does not feel God, remains in conundrum; they make mistakes time and again regardless of who they are, the company they sit in, and how they talk. An individual who becomes a friend of God however, spends their life under the guidance of their conscience, does not speak unnecessarily, and no matter what gathering they find themselves in, they always remain graceful."

Bibi Fatima (RA) married a famous Sufi of her time named Sufi Abu Hamid Ahmad bin Khidruya (RA). She sent a servant

is also a fact that heaven is a pleasing reality. Above all, a relationship with God established on love is better than one built on fear.

"O my servants who have transgressed against their souls! Despair not of the Mercy of God: for God forgives all sins: for He is Oft-Forgiving, Most Merciful."

(Quran, 39:53)

Why can we not be taught to focus on love? Why is it that even though the central theme of all religions of God is love, the message is usually propagated through fear?

If we take Prophet Muhammad's (PBUH) life as an example of how the Quran should be practiced, there is a particular story that is well-renowned regarding his mercy.

A Jewish lady who lived near him would dump garbage on his footpath every morning as a means to cause him discomfort and annoyance. Though in this day and age, one would be perfectly within their rights to take matters into their own hands, the Prophet (PBUH) showed her mercy and kindness. One day, he found that there was no garbage on his route, and instead of celebrating being rid of an issue, he went to her house to check if she was okay as she had broken her routine.

The lady was so inspired by this action that she embraced Islam.

The Prophet (PBUH) reflects God's mercy, and we can see here that it was well within his power to enact wrath or invoke a disciplinary action against this lady, but he chose mercy instead. This is God's method too – though hell exists, it is paradise that He wants for His creations.

It is a psychological fact that punishment is a deterrent, however, love is a more powerful driving force which, once kindled in hearts, can put a person on the right path. Our hearts are the centre of love and if we develop love for God, our worship will not just be a routine conducted out of fear, but an act of love with our full heart in every tenet of our faith. A love like this is the unconditional love of God and due to it, our lives will move onto the next level.

What a wonderful idea it would be to have a faith in God like a child; a child to whom fearing God the Merciful appears to be a novel idea because to them, He is love and compassion.

In order to have such a relationship, we must rewire our bond with God, who is the best of friends. This will result in love for His creatures, for our fellow human beings irrespective of their faiths, and for everything around us. Will this not be enough for our salvation in the hereafter as we make our world a living paradise?

"Lo! verily the friends of God are those on whom fear cometh not, nor do they grieve."

(Quran, 10:62)

❊ ❊ ❊

# God Loves You

*What a wonderful idea it would be to have a faith in God like a child; a child to whom fearing God the Merciful appears to be a novel idea because to them, He is love and compassion.*

"Dad, can I ask you something?" The seven-year-old boy called Amir asked his father, with a genuinely perplexed face.

"Sure, my love, but what is it about?" His father was keen to hear what his son would ask.

"It's about God," Amir said, leaving his father more curious still as he was not expecting a question about God from a boy of his age.

"About God?" replied his dad, interest now piqued. "Okay, go ahead."

"Did you not say that God is merciful, kind and all loving?" Amir said, remembering a lesson his father had taught him not too long ago.

"Yes, I did…"

"Did you not say that God is all forgiving, compassionate and loves us all – you said more than seventy mums?"

"Yes, I did but –," his father could not finish his sentence as the inquisitive Amir had more questions to ask.

"Did you not say that God's mercy has no limit? That He always turns to those who turn to Him?"

"Yes, I did say that but what's confusing you? What's your question?" Amir's father could not comprehend where his son's train of thought was taking him.

"Dad," Amir said, and then paused for a while. "If that's true, then why do you and everybody else say we should fear God? If He is love, mercy and compassion, why should we fear Him?"

❊ ❊ ❊

Children are really innocent. They speak their mind honestly. At times their questions are impossible to answer; and at times their queries have enough potential to lead adults to an untrodden path – a path that they have never even thought of and a path that may lead to the right destination. Like many of us, Amir's father must have found himself at the end of his logic and at a loss for words. The reason for this is very simple.

We are taught to be scared of God first, and then to love Him afterwards. The dread of hell comes before the blessings of heaven. We are taught about the intricacies of torment in the other world before we are taught of the beauty that exists. We are taught of God's wrath before His compassion. In other words, we learn about agony before blessings. We are given a small hope after installing the horrific idea of a large hell. This does not mean in any way that hell is not a reality, but it

ماہنامہ

# روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے


چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی


روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

viruses, bacteria, parasites, and fungi.

The question is, can we blame animals for harbouring such viruses and eventually transmitting them to us?

Experts have summarised that human activities play a huge role in causing these diseases. As the human population expands and encroaches into new geographic areas, the protective lines between man and animals, domestic or wild, is thinning down. Though animals play an important role in our lives, the downside of this proximity is that the shared environment provides more opportunities for diseases being exchanged between them.

Mankind has destroyed the earth with extensive deforestation for intensive farming practices, resulting in climate change and damage to wildlife that salvage the ecosystem. These disruptions in environmental conditions and encroaching of the habitats of other species have resulted in their migration to the human population. As these species are forced to inhabit cities, it not only put their lives at stake, but also results in exposing the delicate human systems to new threats.

For example, the current pandemic Covid19 is suspected to have been caused by bats. Bats are normally portrayed as evil, disregarding how they play a crucial and vital role in sustaining the ecosystem by dispersing seeds, pollinating flowers, eating large quantities of insects that are harmful for our crops and promoting biodiversity. There are over 1,000 species of bat, making them one of the most prolific groups mammals.

When mankind deforests the habitats of the bats, they have no choice but to live in close contact to us, thus, we are exposed to the viruses it hosts.

For example, pig farms were installed in bat populated forests in Malaysia, which as a consequence led to the occurrence of the 'Nipah' virus through pigs to pig farmers. This virus is endemic in fruit bats. It is said that bats were seen in the pig farms, and their half-eaten fruit were consumed by pigs who contracted it. This situation was finally controlled by the mass culling of 1 million pigs.

In this case, who do you think is responsible for the outbreak of any zoonotic disease – animals or mankind?

We assume bats to be evil, but should not we change our perspective towards them? It is true that bats hosts numerous viruses, but it also alludes that they play a significant role in keeping viruses from spreading in the environment. It is not in the nature of animals to creep into human populated areas — It is us, who encroach their lands and put their and our lives at stake.

---

Pandemic, or the Asian flu, was first recorded in East Asia, and afterwards spread worldwide, causing an estimated death toll of 1 million globally. It was the result of avian influenza, a flu that is usually found in birds, that reassorted with a human influenza virus.

**SARS:**

The outbreak of SARS (Severe Acute Respiratory Syndrome) was first reported in China in 2002, affecting over 8,000 people in more than 25 countries, and killing about 774. It is thought to be originated from bats, spread to other animals (civet cats), and then to infected humans.

**Influenza Pandemic (H1N1), Byname Swine Flu:**

The 2009 pandemic was suspected to have originated in pigs; however, it is not confirmed. Researchers concluded that the virus evolved through a triple reassortment of swine, bird, and human viruses. Reports suggest that about 20% of the world population contracted the virus, and that 284,000 people were killed from it.

**Ebola Virus:**

This received its name from the River Ebola in central Africa where the first case was reported in 1976. There had been many reoccurrences of it, but a major outbreak that emerged from Western Africa in 2014-16 affected more than 28,600 people, and 11,300 succumbed to it. It reoccurred in 2018 as well.

As per evidence, it is postulated that fruit bats may be the carrier of Ebola, and other animals such as chimpanzees, gorillas, baboons, and duikers may become infected by it if they eat fruit bitten by bats harbouring the virus. Humans contract it after the direct contact with the infected animal. It is a severe illness, and 35 to 90 percent fatal depending on the person's immune system.

**The 2019 Novel Coronavirus (2019-nCoV):**

Officially named COVID-19, it is a disease that affects the respiratory system. First identified in China, the virus has spread to 213 territories, areas and countries. The confirmed cases as of May 20, 2020 by WHO are 4,801,202. These cases have caused 318,935 deaths. USA and Italy are among the countries with highest fatality rate. The disease is said to spread from infected bats, or possibly pangolins, but there are no official statements confirming the cause of it. The unprecedented quarantine and health measures by China bought the world some time, but unfortunately, it was not enough.

**What is the real cause? Are animals a threat to human life?**

The majority of pandemics discussed above have been contracted by humans from animals, hence making them zoonotic in nature, i.e. a disease that spreads between humans and animals, ranging from mild, severe or fatal, and caused by harmful germs like

It is a ghastly satire that describes the symptoms of the disease. According to Wikipedia, Peter and Iona Opie, the leading authorities on nursery rhymes, remarked,

"The invariable sneezing and falling down in modern English versions have given would-be origin finders the opportunity to say that the rhyme dates back to the Great Plague. A rosy rash, they allege, was a symptom of the plague, and posies of herbs were carried as protection and to ward off the smell of the disease. Sneezing or coughing was a final fatal symptom, and 'all fall down' was exactly what happened."

**Cholera Pandemic**:

Seven cholera pandemics have affected the world in the past two centuries that have killed millions of people across the continents. It first stemmed from Jessore in 1817, and then to the rest of the world. In Indonesia, about 100,000 people died on the island of Java alone.

Cholera is an acute diarrhoeal infection caused by the consumption of food or water contaminated with the bacteria called *Vibrio cholerae*. It is usually found and spread in water with poor sanitation, inadequate hygiene, and in the faeces of the affected person, which thus, potentially infects other people.

According to WHO (World Health Organization), each year, it infects 1.3 to 4 million people around the world.

**The Russian Flu (1889 AD):**

This is the first major flu pandemic reported which started in the Russian Empire, and then spread throughout the Northern Hemisphere within months. An estimated population of 1 million is said to have succumbed to it.

**The Spanish Flu:**

The geographical origin of the Spanish Flu, also known as the 1918 flu pandemic, is not clear. As per varying hypothesis, it originated in USA; some say that cramped hospitals and military camps of UK troops in France were the catalyst in breeding this virus that widely spread amongst the ranks, and from thereon to the general people.

Food supplies, including piggery and poultry, were regularly brought in from the areas nearby. In a research, led by virologist John Oxford, it is postulated that a significant precursor virus, harbored in birds, mutated and then migrated to pigs.

During World War 1, Spain was neutral. Its media reported the epidemic while the countries involved in war did not report their mortality rates. This created a false idea that Spain has been badly affected by the virus. Thus, the pandemic became popularly known as the Spanish flu or *La Pesadilla* (Spanish for 'The Nightmare').

**Asian Flu:**

The outbreak of the 1957 flu

the death toll had reached 5 million.

**Justinian Plague (541 AD)**:

Constantinople, now the modern-day Istanbul, stood as the capital of the Byzantine (Eastern Roman) Empire, and was severely afflicted by the Justinian plague. Trade ships that were home to rodents, carried fleas infested with plague bacteria. It is said that the plague first appeared in Egypt, which was the major source of grain for the empire. The seat of the Byzantine Empire was the crossroad for trade routes, thus where the ships went, so did the rats go.

It was one of the deadliest pandemics in history, responsible for the deaths of around 25 to 100 million people, during the two centuries of recurrence. It is also believed that the plague killed about 5,000 people daily at its height in Constantinople, resulting in the decimation of 40% of the capital's population.

**The Black Death:**

This was a global outbreak of the bubonic plague. The fleas of rodents were the main cause behind its transmission. The bacteria could pass from one person to another through coughing or sneezing once it reached the respiratory system. This pandemic is said to have begun from Central or East Asia and via trade routes entered and ravaged Europe between 1347 and 1351. It reoccurred many times and estimated to have wiped 30 to 60 percent of Europe's population.

The plague made a profound impact on the course of European history, causing great socio-economic and religious upheaval. The doctors had no cure, and the inability of the religious segments to curtail the disease resulted in the decline in power for religious scholars as people stopped going to them for the salvation of their souls. Seeing the helplessness, people started to believe that it was the wrath of God, and turned towards mysticism movements.

In a work of art produced in those times, a town crier is shown calling for the families of victims to "bring out your dead" for mass burial.

**The Great Plague of London (1665-1666 AD)**:

In another tragical appearance, the bubonic plague is suspected to have killed 100,000 people, including 15% of the population of London.

A flea that had bitten an infected rodent then bit a human and became the cause for the wide spreading of the plague amongst humans. It is said that hundreds of bodies were hastily buried in mass graves without coffins, care or ceremony.

The nursery rhyme 'Ring a Ring O' roses' is usually associated with the great plague:

*Ring a Ring O' Roses,*
*A pocket full of posies,*
*Atishoo! Atishoo!*
*We all fall down!*

i

# The Cause of Pandemic

*Animals do not creep into human populated areas – it is not in their nature. It is us, who encroach their lands and put their and our lives at stake.*

History is replete with examples where powerful nations faced unprecedented calamites. Their wealth, acumen, and strength, did not enable them to contain the diseases, nor did their mighty castles help them survive the storms. They were as vulnerable as straw, weightless and powerless against the might of a nature's seen-unseen mechanism at play.

The recent pandemic Covid19 has also thrown the world off guard with its first case reported in China, Wuhan. It spread across the region, crossed international boundaries within months, and was soon classified as a pandemic from an epidemic as it spread across the world.

Covid19 has nearly halted human movement on earth; countries are experiencing partial and complete lockdowns as schools, colleges and universities have closed for indefinite periods, businesses have been racked and economies have arrived at a strange impasse. Medical science and researches are on their heels to produce a vaccine to curtail it – the health care systems of even the largest economies are in shambles, trade has halted, international flights are on partial halt, and industries have shut down. Hundreds of thousands of people are affected by it, and thousands of people have succumbed to it.

We believe that Covid19 is unprecedent mainly because we are experiencing it currently, but this is not so. There were pandemics before this one, which changed the course of the world, ravaging the human population in deadlier manners when compared to today. Let's have a cursory look at some of the pandemics of the past, and reflect on their underlying cause.

## Antonine Plague:

Around 165 AD, a strange disease called Antonine Plague broke out across the Roman Empire that did what opponents of the Roman Empire could not do – it almost brought the flourishing Roman Empire to its knees. After an expedition in the Near East, their troops were successfully returning with massive spoils of war, but with that came a disease. The disease manifested and spread everywhere they went. The mysterious epidemic grew profusely, especially in the densely populated cities. The trading Roman ships exported the disease to wherever they went. The misery, which according to researchers was most likely to be smallpox or measles, was contained after more than a decade in 180 AD, but by then,

# Blessings of God

Today, I had the urge to write something, but had no idea what I would write. So I sat down before my writing table, and began to follow the trail of my thoughts.

Suddenly, I realised that I was writing with the help of my hands; and the thought sprung to mind, "Who designed them so meticulously? What if I had no hands, or any other part of my body? How would I hear without ears or walk without legs?" My heart brimmed with gratitude and love for God. Indeed, all of my senses and parts of my body are blessings from God, and they work for me 24/7, without any break on His orders.

"God has made the colourful things around us for our comfort and joy. He made eyes so we may see the beautiful flowers, and smell their lovely fragrance with our nose. How beautiful must God be to create everything in this world with so much perfection and finesse?" I mused.

Our spiritual master says that to offer thanks to God, one must use all blessings given to them with joy. For instance, we must keep active for our physical wellbeing. We must use our wealth and intelligence for the welfare of others. Those who stock up on things are called hoarders. Hoarders are not just those who pile up material things, they are those who do not use and benefit others with their education and wisdom too – and this is not liked by God.

We take things for granted; from our relationships to resources and to our physical body and health. We realise the importance of something only when it is no longer with us. We understand the importance of our loved ones only when they are not around anymore.

The hand with which you are holding this magazine supports the equilibrium of your entire body. Ponder over minor details of your body. You do not have to lose your hand to understand how worthy every finger on it is.

God gives to everyone – no matter whether they thank Him or not or whether they believe in Him or not – He blesses everyone with His grace and kindness. But those who spread that kindness among His fellow men, and those who bow before Him, He loves them the most. If one adapts to the habit of thanking God, they will begin to feel a surge of happiness within them. So, bow and tell Him:

"Thank You God for all Your blessings."

— Bibi Ayman

V

in the hands of five puppets. If you're so intelligent, then why do you ask from the puppets and not He who created them?"

John felt a trickling of warmth seep through the back of his head, entering his spine and dispersing itself throughout his body. He looked at the old lady tearfully and saw her smiling still. As he wiped the tears from his eyes, he saw that she was gone. The bags beside him were also no longer to be seen.

Before he had even a second to make sense of his situation his phone rang. He fumbled with it for a second before answering, "Hello?"

"John. It's David."

John's heart was just about ready to explode again – it was his direct boss at his company.

"Hey David… So, what did you hear?" He asked reluctantly.

"Mate – you've done it. They absolutely loved you. You've smashed it. I've spoken to the higher ups – that promotion is as good as yours! I'll get the paperwork started off now – I'm in a hurry now but I'll ring you later with the details!"

Without giving him a chance to answer, David hung up on him, leaving John in a state of complete perplexity. He did it. Everything he wanted would now occur, and yet, he did not feel euphoric or elated as he thought he would. In fact, he felt completely empty. The news had sort of just bounced off him – something else had consumed his heart instead. A void had formed where his ego used to reside, and in its place, a longing or desire was forming within him.

His presentation was awful, there were no two ways about it. How had he still come out on top when he had quite clearly failed? He did ask for help, just like the old lady said… did the Lord hear his cry?

John continued his journey home and noticed that his fingers and palms had creases on them from the bags he had carried… Walking away, he rubbed his thumb against the marks the bags had left, perhaps in some effort, to ensure he would never forget, and to remind himself that it was not just some illusion his mind had conjured.

"When an arrow leaves the bow, it may travel straight or it may not. The direction of its path is dependent upon how the archer releases the arrow. However, it is so strange that when the arrow hits the target without deviation, the archer takes the credit and feels overwhelmed. But when it misses the target, it is the arrow that is held responsible for the failing." — Hazrat Farid al-Din Attar (RA)

think you helped me today?"

John stopped walking in shock – had she just read his thoughts? He looked at her in a trance, rooted to the spot. She also stopped walking and turned to look at him.

"Well? Do you think that you helped me today?"

"I – I mean… Yes. Did I not help you today? I've been carrying your bags. Is that not considered help?" John was feeling a little annoyed now – was the woman insinuating that she did not need his help? Also, what was this all-knowing persona she was portraying… was she trying to swindle him?

"You misunderstand, fool! Do you think it was you who decided to come and lift these bags?"

Once again, John was at a loss for words, his mouth making shapes without any comprehensible meaning.

"*Wa La Hawla Wa La Quwwata illa Billahil Aliyyil Azeem* (And there is no strength nor power besides Him, the Most High and Esteemed). You are a fool, child!"

"How am I a fool?" John shouted incredulously.

"You have claimed the blessings bestowed upon you to be something you own. Nothing is yours, it is all His. He is the Only Power that exists."

"You mean God?" John spat. "I don't believe in fairy tales, lady… If God is so powerful…" John elongated his words condescendingly. "…then why didn't he help you with your bags today? Some God that is, eh? Letting an old lady carry these heavy bags… I'm the one who came to help you!" He laughed as he dropped the bags on the floor beside him.

The old lady pensively watched him for a moment, before smiling softly. "Such a desire for greatness, and yet not a single clue of the path. Moments before you 'decided' to come help me, I had asked God to help me carry these bags. My Lord sent me you."

"Ha! Mere coincidence," John's haughtiness was back in full swing.

"There is no such thing as coincidence, dear John."

"How do you know my name?" Immediately, John felt he was on the back foot again and under attack.

"Had you asked God to help you in your presentation this morning, you would have been full of confidence, for confidence is in knowing that He protects you from all harm. But instead, you choose to boast and flaunt what little you have been given. You make others envious of God's favours. You make others resent themselves and their standing. And even now, He still protects you. Who is it that carried you through that presentation? Did He not answer your call for help? Do you even remember what you said? He will still promote you child, but it would have been better had you asked Him in the first place, rather than leave your fate

standing, his mind screaming in a deluge of fear and doubts.

"Don't enter!"

"You can't do this!"

"Leave now!"

"Help!"

John shook the hand of the man who welcomed him and smiled amicably, entering the room in a confident stride and greeting the four others who were seated before him. Was it getting hot? Could they see him sweating? Were his fingers fidgeting? Was a strand of his hair out of place? Why was his throat so dry? He needed water… was there water around him? Was his tie always this tight?

Two hours passed, and John was walking by a park near his home. He had wrapped up the meeting and taken a train to get back but decided to get off a stop early to walk a little. His memories were a little hazy regarding his presentation, but all he knew was that the moment he left that office, his heart returned beating at its normal pace, though perhaps from the continuous attack he had faced, it still felt a little irritable around its vicinity.

Trudging slowly, he felt numb as the setting sun's beautiful reds, pinks and yellows were lost on his blinded eyes. He wanted nothing more than to get into his bed and sleep away the rest of the evening, or better yet, the rest of his life. Had he just messed up his one chance to be what he knew he could? Would he ever get an opportunity like that again? Where was his confidence now? Why could not he face the challenge?

Just as his thoughts were about to go through another cycle of depressing thoughts, John saw an old lady carrying some shopping bags. Without breaking his stride to think, and without even knowing what spurred him into action, John rushed towards her and offered his help. She told him that she was not walking on the same path as him however, to which he replied that he would join her on hers.

The old lady smiled and handed him the bags. They were considerably heavy, and John was quietly impressed with her for being able to carry such a load. They walked in silence for a while, but it was not awkward, John was happy for it actually. Something about walking with the old lady heightened his mood – though he was carrying more, he felt a weight within him be lifted.

"At least I can help people. I've done something right today," John thought.

"Can you actually help people?"

John almost dropped a bag as the old lady's question broke the quietude.

"Sorry? Um – what do you mean?" John composed himself and responded quickly.

"You said that you can help people," she replied. "Do you

whole world to know it. This thirst for fame or acknowledgement had fuelled him in his every waking moment, and even gripped his dreams. He had lost count how many times he had saved the world as he soared through the open skies as his conscious state slept. How many times did the people below him call out his name in praise? How many times did he overcome all odds because no one else could?

John was working in a highly paid and qualified job now, and seeing people fawn over his educational and professional accolades only served to stoke the fires of his pride, despite him feigning humility whenever he was showered with compliments. John could almost smell the sweet fruits that lay just beyond the horizon – he was close to achieving his dreams, and what made it sweeter for him was that he had done it all by himself… or so he thought.

After what could only be described as great fortune, John had reached adulthood in impeccable fashion. He was at the top of the working world, and minutes away from giving a key presentation that could win his company a lot of work and hence, a lot of money. If he could seal this deal, there would be nothing between him and his next promotion. He was exemplary in all facets of his job, but this one presentation could really make his life. All his naysayers would finally know what he was capable of, and yet, something about the day was throwing him off his top form. He was unable to put his finger on it, but John's heart was at unease, and pounded rather violently in his chest. With the dull thumps of his frantic heart came a pain, or a pressure more like, which though inconsequential in its ferocity, proved to be largely worrying in its consistency.

*Thump-thump. Thump-thump.*

"Calm down," he ordered himself. "You've got this. You've always got this. You're the best. You've got this."

His panicked mumblings became a self-serving mantra, providing no real relief to him as he chewed on the edges of his fingernails. Why was he feeling so perturbed? He had presented to thousands before, in situations with only slightly less stakes involved; why was the prospect of speaking to five board members in a small room so daunting to him now?

"Are you ready?"

A head poked out the door he sat outside. It was the face of his key stakeholder, smiling as he beckoned him inside.

"Always," John replied off the cuff, but his heart was threatening to leap out of his chest. It was bad: really bad. He was entering uncharted territory with whatever he was going through inside. He hesitated momentarily before

i

# Coincidence … ?

*If he could seal this deal, there would be nothing between him and his next promotion. He was exemplary in all facets of his job, but this one presentation could really make his life...*

John had always felt misplaced in life. His surroundings and the people he was tied to felt alien to him; and often, he found himself alone in the middle of the night, staring at an erratically textured ceiling and wondering if it was he who was 'wrong', or somehow more worryingly, the world itself.

He was a strange child growing up, there was no getting away from that. Everyone who knew him could recall at least one moment in which his behaviour was more than just a little eccentric. One such example was regaled by his primary school teacher, where on his first day at school he shouted at all the kids to stop screaming as they went hysterical over a slug they had spotted. Seeing all the children fall in line immediately and in obedience left the teacher slightly disturbed.

Another example was when a fresh batch of books had been donated to his school, and the teacher let the children pick whatever they wanted to read. John had perhaps accidentally wondered aloud why it was the stupid classmates who got first pick, which of course led to heavy reprimands and a public apology.

His grades were quite comfortably at the top of the class and his arrogance inflated with it. It was clear he had a personality problem, but from his perspective, he never thought that what he was doing was wrong. With the slug scenario, he only wanted to get the class in order and could not understand why anyone would lose their minds over a small, common creature. With the books, there was a specific novel he wanted that another child had picked up, and from what he knew, the child was not at a reading level that would allow him to read it. It made no sense to give the book that he could benefit from to someone who only chose it for the artwork on the cover.

He had his reasons, but despite being well-spoken, he could never explain why he did what he did, at least not in any way that would alleviate his punishments. Years of his youth flew past him and his persona had solidified into that of a man with great potential, who unfortunately did not have an attitude to match.

John's ego was so large you would think he was a king, as no matter what the circumstances or opinions people held of him, he not only thought he was always the smartest person in the room, but he also truly believed he would come out on top. Even as a child, John remembered he had told his dad that he wanted his name to be in light, and for the

"Lo! those who swear allegiance unto thee (Muhammad), swear allegiance only unto God. The Hand of God is above their hands." (Quran, 48:10)

"There hath come unto you a messenger, (one) of yourselves, unto whom aught that ye are overburdened is grievous, full of concern for you, for the believers full of pity, merciful. Now, if they turn away, say: God sufficeth me. There is no God save Him. In Him have I put my trust, and He is Lord of the Tremendous Throne." (Quran, 9:128-129)

The revelations began to descend on Prophet Muhammad (PBUH) from true dreams. After receiving them, he began to spend several days in the Cave of Hira.

During the month of Ramadan, when he was 40 years and six months old, Gabriel (PBUH) appeared from the unseen and recited the following five verses of chapter Al-Alaq,

"Read: In the name of thy Lord Who createth. Createth man from a clot. Read: And thy Lord is the Most Bounteous. Who teacheth by the pen. Teacheth man that which he knew not."

(Quran, 96:1-5)

***Mairaj* (The Night of Ascension)**:

During the 12th year of prophethood, on the 27th Rajab, God blessed His beloved Prophet Muhammad (PBUH) with His nearness and talked to him whatever He willed.

On that night, the beloved of God, Prophet Muhammad (PBUH) travelled from *al-Masjid al-Ḥaram* (in Makkah) to *al-Masjid al-Aqṣa* (in Jerusalem), where he visited *Al-Bayt Al-Mamur* and witnessed the signs of God.

"By the Star when it setteth, Your comrade erreth not, nor is deceived, nor doth he speak of (his own) desire. It is naught save an inspiration that is inspired, which one of mighty powers hath taught him. One vigorous; and He grew clear to view. When He was on the uppermost horizon. Then He drew nigh and came down, till He was two bows length or even nearer, and He revealed unto His slave that which He revealed. The heart lied not what it saw. Will ye then dispute with him concerning what he seeth? And verily he saw Him, yet another time.

(Quran, 53:1-13)

During *mairaj*, Prophet Muhammad (PBUH) passed through those boundaries about which Gabriel (PBUH) said, "I can not move further as my wings will burn from the intensity of Divine light."

Episode 3

"And We have not sent thee (O Muhammad) save as a bringer of good tidings and a warner unto all mankind; but most of mankind know not." (Quran, 34:28)

"He it is Who hath sent His messenger with the guidance and the religion of truth, that He may make it conqueror of all religion however much idolaters may be averse." (Quran, 61:9)

"We sent thee not, but as a mercy for all creatures."

(Quran, 21:107)

"Verily in the messenger of God ye have a good example for him who looketh unto God and the Last Day, and remembereth God much." (Quran, 33:21)

"And exalted thy fame?"

(Quran, 94:4)

"And lo! thou art of a tremendous nature." (Quran, 68:4)

"Even as We have sent unto you a messenger from among you, who reciteth unto you Our revelations and causeth you to grow, and teacheth you the Scripture and wisdom, and teacheth you that which ye knew not."

(Quran, 2:151)

"Muhammad is not the father of any man among you, but he is the messenger of God and the Seal of the Prophets; and God is Aware of all things." (Quran, 33:40)

"And lo! it is a revelation of the Lord of the worlds, which the True Spirit hath brought down upon thy heart, that thou mayst be of the warners, in plain Arabic speech. And lo, it is in the Scriptures of the men of old."

(Quran, 26:192-196)

"God revealeth unto thee the Scripture and wisdom, and teacheth thee that which thou knewest not. The grace of God toward thee hath been infinite." (Quran, 4:113)

"It was by the mercy of God that thou wast lenient with them (O Muhammad), for if thou hadst been stern and fierce of heart they would have dispersed from round about thee." (Quran, 3:159)

"Say: Lo! my worship and, my sacrifice and my living and my dying are for God, Lord of the worlds. He hath no partner. This am I commanded, and I am first of those who surrender (unto Him)." (Quran, 6:162-163)

"Say: If your fathers, and your sons, and your brethren, and your wives, and your tribe, and the wealth ye have acquired, and merchandise for which ye fear a loss, and dwellings ye desire are dearer to you than God and His messenger and striving in His way: then wait till God bringeth His command to pass. God guideth not wrong doing folk." (Quran, 9:24)

"Have We not caused thy bosom to dilate, and eased thee of the burden." (Quran, 94:1-2)

"And verily thy Lord will give unto thee so that thou wilt be content." (Quran, 93:5)

"Lo! We have given thee Kausar." (Quran, 108:1)

them in the Scripture and in wisdom and shall make them grow. Lo! Thou, only Thou, art the Mighty, Wise."

(Quran, 2:127-129)

"And when Jesus, son of Mary said: O Children of Israel! Lo! I am the messenger of God unto you, confirming that which was (revealed) before me in the Torah, and bringing good tidings of a messenger who cometh after me, whose name is Ahmed (the Praised One)." (Quran, 61:6)

"Behold! God took the covenant of the prophets, saying: "I give you a Book and Wisdom; then comes to you an apostle, confirming what is with you; do ye believe in him and render him help." God said: "Do ye agree, and take this My covenant as binding on you?" They said: "We agree." He said: "Then bear witness, and I am with you among the witnesses." (Quran, 3:81)

"Those who follow the messenger, the Prophet who can neither read nor write, whom they will find described in the Torah and the Gospel with them. He will enjoin on them that which is right and forbid them that which is wrong. He will make lawful for them all good things and prohibit for them only the foul; and he will relieve them of their burden and the fetters that they used to wear. Then those who believe in him, and honour him and help him, and follow the light which is sent down with him: they are the successful. Say (O Muhammad): O mankind! Lo! I am the messenger of God to you all, to Whom belongeth the Sovereignty of the heavens and the earth. There is no God save Him. He quickeneth and He giveth death. So believe in God and His messenger, the Prophet who can neither read nor write, who believeth in God and in His words and follow him that haply ye may be led aright."

(Quran, 7:157-158)

"But how (will it be with them) when We bring of every people a witness, and We bring thee (O Muhammad) a witness against these? On that day those who disbelieved and disobeyed the messenger will wish that they were level with the ground, and they can hide no fact from God."

(Quran, 4:41-42)

"Muhammad is the messenger of God. And those with him are hard against the disbelievers and merciful among themselves. Thou (O Muhammad) seest them bowing and falling prostrate (in worship), seeking bounty from God and acceptance. The mark of them is on their foreheads from the traces of prostration. Such is their likeness in the Torah and their likeness in the Gospel."

(Quran, 48:29)

A distinctive quality of the prophethood of Prophet Muhammad (PBUH) is that he brought a single religion, *Islam*, for the whole world.

i

# Prophet Muhammad (PBUH)

*During the 12th year of prophethood, on the 27th Rajab, God blessed His beloved Prophet Muhammad (PBUH) with His nearness and talked to him whatever He willed.*

Qualities of all other Prophets (PBUT) are reflected in the speech and actions of Prophet Muhammad (PBUH). As Prophet Muhammad (PBUH) is mercy to all realms, that includes being mercy for the other Prophets (PBUT) as well.

Just like Prophet Noah (PBUH), Prophet Muhammad (PBUH) propagated the teachings of the oneness of God – in public, in closed gatherings, in path ways, on the mountains and on plains.

He disassociated from the disobedient nation just like Prophet Abraham (PBUH) and migrated. On the night of migration, Prophet Muhammad (PBUH) safely came out of enemy's siege, just like Prophet David (PBUH).

Prophet Muhammad (PBUH) spent three years in a trench with fortitude and gratitude just like Prophet Job (PBUH). And just like Prophet Jonah (PBUH), Prophet Muhammad (PBUH) spent three days in the cave of Sawr.

In the same way that Moses (PBUH) delivered the children of Israel from the slavery of the Egyptian pharaoh, Prophet Muhammad (PBUH) delivered northern Arabia from the King of Constantinople, eastern Arabia from the King of Iran, and southern Arabia from the King of Al-Habash.

Prophet Solomon (PBUH) built a House of God, and so did Prophet Muhammad (PBUH).

Like Prophet Joseph (PBUH), Prophet Muhammad (PBUH) sent food and livestock from Najd to his suffering brothers, and on the day of the conquest of Makkah, he favoured them with forgiveness.

He was rejected and pestered like Prophet Jesus (PBUH), but he remained patient and grateful.

Prophet Muhammad (PBUH), like Prophet John (PBUH), propagated the message of God in deserts, villages, cities and towns.

**Prophecies About Prophet Muhammad (PBUH) Mentioned in the Holy Quran:**

"And when Abraham and Ishmael were raising the foundations of the House, they prayed: Our Lord! Accept from us (this duty). Lo! Thou, only Thou, art the Hearer, the Knower. Our Lord! And make us submissive unto Thee and of our seed a nation submissive unto Thee, and show us our ways of worship, and relent toward us. Lo! Thou, only Thou, art the Relenting, the Merciful. Our Lord! And raise up in their midst a messenger from among them who shall recite unto them Thy revelations, and shall instruct

inclined towards the positive charge or the consciousness. With the aid of these senses, they see salt as a negative charge that activates the subconsciousness. As one intends to know the negative charge, they acquaint themselves with something that is different to their consciousness. For a healthy mind and body, both sweet and salt intakes should be in balanced proportions. This is because, the increase in proportion of salt exerts a heaviness on the consciousness and leads to the domination of the subconsciousness. If it is increased without the instruction of a spiritual master, it will adversely affect one's consciousness.

As mentioned before, it is important to have fixed proportions of sweet and salt in the body, because sweetness stabilises the consciousness and salt reduces the gravity. When the consciousness of a person is unable to sustain fluctuation of salt in the body, it results in high or low blood pressure.

In this world, whatever we consume has a high ratio of sweetness in comparison to saltiness. Since characteristics of salt are influenced by the subconsciousness, its increment exerts pressure on one's mind. This decreases the proportions of the consciousness while merging them into the proportions of the subconsciousness, for which one's body is unprepared. This happens because the body works in the frame of dimensions, and salt, despite having a dimension, is free of its bound.

• • ——————————— • •

When one is bounded by dimension, they see everything in shape and form. Such a mind concentrates on the apparent features, but overlooks the foundation of things which is free of dimensions. Like everything, the earth is laid upon a dimensionless foundation. Why do we only concentrate on dimensions while looking at the earth but overlook what lies beneath? Because our mind is aware of dimensions but is unaware of its foundation. We see what the mind sees. That is why, dimensions are not on the earth, they are in the mind.

Dividing something into many, and then considering them to be different, restricts one's mind. Such a person does not only see themselves as different from others, but is also incapable in finding similarity between senses. If one contemplates the mechanism of vision, they will realise that we see only when we negate our dimension while entering the dimension of others. Irrespective of dimensions, the foundation of everything is *Noor* (a stage of Divine Light). *Noor* is uniform and dimensionless. If one wishes to break the shackles of dimensions, they should learn the knowledge of *Noor*.

May God protect you,

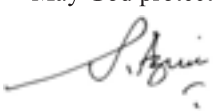

* Please read last paragraph five times.

are united as one on the inner plane. Understand it through the following interpretation.

**Interpretation:** Vision does not form when one's sense of hearing ceases to work. As a result, one does not feel and understand an object. Since they do not hear, they cannot explain what they saw. You may say, what if a person has not heard a voice? They can still see, touch and feel an object, or they may look at it to find out what it is. The answer is, one does not hear only through their ears – it is the voice within which echoes and informs us of what we are seeing and hearing. The voice inside arises in the form of a thought and steers us to fulfil our needs. Thought is in itself a voice, and therefore, one should understand that the five basic senses are in actuality condensed into one sense, that is, the sense of hearing or the 'voice'.

When a thought in the form of a voice transmits and disperses onto the screen of a mind, it stimulates the senses. A voice or the faculty of hearing allows us to see, gather, process, feel and speak. Therefore, it is not a different sense to any of them.

• • ——————— • •

Every sense or faculty is a dimension and dimensions are features. When dimensions lay dormant in the subconscious mind, its features become invisible. Invisibility does not mean that the features have perished, rather it reflects that the foundation on which these dimensions are erected have become prominent and we are unable to see the dimensions.

The earth is one but it looks different because of a wide range of constructions upon it. It has mountains, plains, lush green fields, gardens, quicksand, dry rocky lands, seas, tall buildings, and small and big houses.

In order to construct something, the ground is dug up to form a cavity to lay a strong foundation. It is then levelled before construction takes place. While looking at the levelled ground, if a person becomes unaware of themselves, the difference in dimensions such as north, south, east, west, up and down are nullified.

**Experiment:** Stand on a vast plane or field and fix your gaze on the ground. You will see the ground as long as you feel your presence. However, if you disregard yourself, not only will the dimensions efface, but the ground will also disappear from your sight.

• • ——————— • •

Sweet and salt are two dimensions which keep the conscious and subconscious minds in balance. They are not seen, but we feel their proportions in every meal. Both taste different and seem to be polar opposites but at the same time, they are actually present in each other. If they were not, then referring to something salty as 'salty', or something sweet as 'sweet' would be out of the question. In spirituality, both salt and sweet are considered as information. Therefore, if information regarding salt does not descend, information related to sweetness will also cease to descend.

Mankind is dominated by the senses of day. In other words, they are

i

# Message of the Day

God is one but the creatures are many. Despite this, there is no collision between the creatures because not only are their proportions fixed, but their Creator is also One. The creations interact with each other, however, their fixed proportions do not allow them to change their respective identities.

> "Thou causest the night to pass into the day, and Thou causest the day to pass into the night. And Thou bringest forth the living from the dead, and Thou bringest forth the dead from the living." (Quran, 3:27)

Night and day, and life and death are integral units of the universal system. Day and night are defined as senses, however, both life and death are transitions of one moment into another moment, one era into another era, and one realm into another realm. When life enters the next realm, people do not see the departed soul in physical form anymore but it stays alive in their memories. This means that even after departing from this realm, one's life record does not cease to exist.

The senses of day and night are classified as the conscious and subconscious respectively. At night, the tendency of light is in the negative stage and during the day, it enters the positive stage. Negative implies the contraction, while positive refers to the expansion of space. When the senses of night evolve into the senses of day, it dominates the subconscious mind, and when day becomes night, the consciousness goes in the backdrop. Similarly, the positive stage progresses towards the negative, and the negative goes back to the positive. This is how life moves on and spatiotemporal distances are formed. However, the point where both day and night meet during transition, is called the neutral point. 'Neutral' is a point where both positive and negative become one.

Dear readers, please reflect individually and collectively on the underlined words.

When senses are in the positive stage, we divide its mechanism to different body parts. For example, we say that we hear through the ears, see with the aid of eyes, understand by means of our brain, feel because of our heart and speak using our tongue. However, this division is annulled as soon as the senses reach the negative stage and converge as one. Understand the division and unison of senses through the states of dream and wakefulness. The realm of dreams tells us that the division of senses in the body parts during wakefulness is an illusion. In both states, we hear, see, understand, feel and speak through the inner eye.

• • ——————————— • •

People are commonly aware of the five basic senses. What they do not know is, that though apparently these senses are divided into five, they

# Contents


| | | |
|---|---|---|
| Message of the Day | K. S. Azeemi | 172 |
| Prophet Muhammad (PBUH) | Extracted | 169 |
| Coincidence … ? | H. R. Archer | 165 |
| The Cause of Pandemic | Qurat-ul-Ain Wasti | 159 |
| God Loves You | Naseer Ahmed | 153 |
| Nishapuri — Bibi Fatima (RA) | Noor-ul-Huda | 151 |
| Circle of Life | Bibi Anuradha (UAE) | 146 |

"Every leaf that grows will tell you: What you sow will bear fruit, so if you have any sense my friend, do not plant anything but love."
— Maulana Jalal al-Din Rumi (RA)

Vol 8 Issue 4-5 | May - June 2020 | Ramadan — Shawwal Dhul Qadah 1441AH

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Monthly Karachi

# Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in Chief
**Huzoor Qalandar Baba Auliya[RA]**

Chief Editor
**Khwaja Shams al-Din Azeemi**

Editor
Hakeem Salam Arif

Circulation Manager
Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.80/- Per issue. Annual subscription Rs.1080/- with Reg. Post (Domestic), US$ 70/- (International)

**Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020**

# حکیم ایلوویرا شیمپو




## Repairs Damaged Hair

- نرم و ملائم چمک دار اور صحت مند بال
- خشکی کا خاتمہ

# روغن پرسیاؤشان

جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ تیل




- گھنے، لمبے اور چمکدار بالوں کی نشوونما کے لئے
- حافظہ روشن کرتا ہے
- دماغ کو تقویت دیتا ہے
- سردرد میں مفید ہے

عظیمی میڈیکل اسٹور

ہول سیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسو ہال، کراچی۔

فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

TOYOTA

All New TOYOTA

# YARiS

1.3 and 1.5 Available for Booking

For Booking Details
Please Contact:

UAN: **(022) 111 555 121** or **0348-1119705**

**TOYOTA HYDERABAD MOTORS**

A141, AUTO BHAN ROAD